الکلام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میگزین

Al kalam

مئی 2017 شمارہ XXV

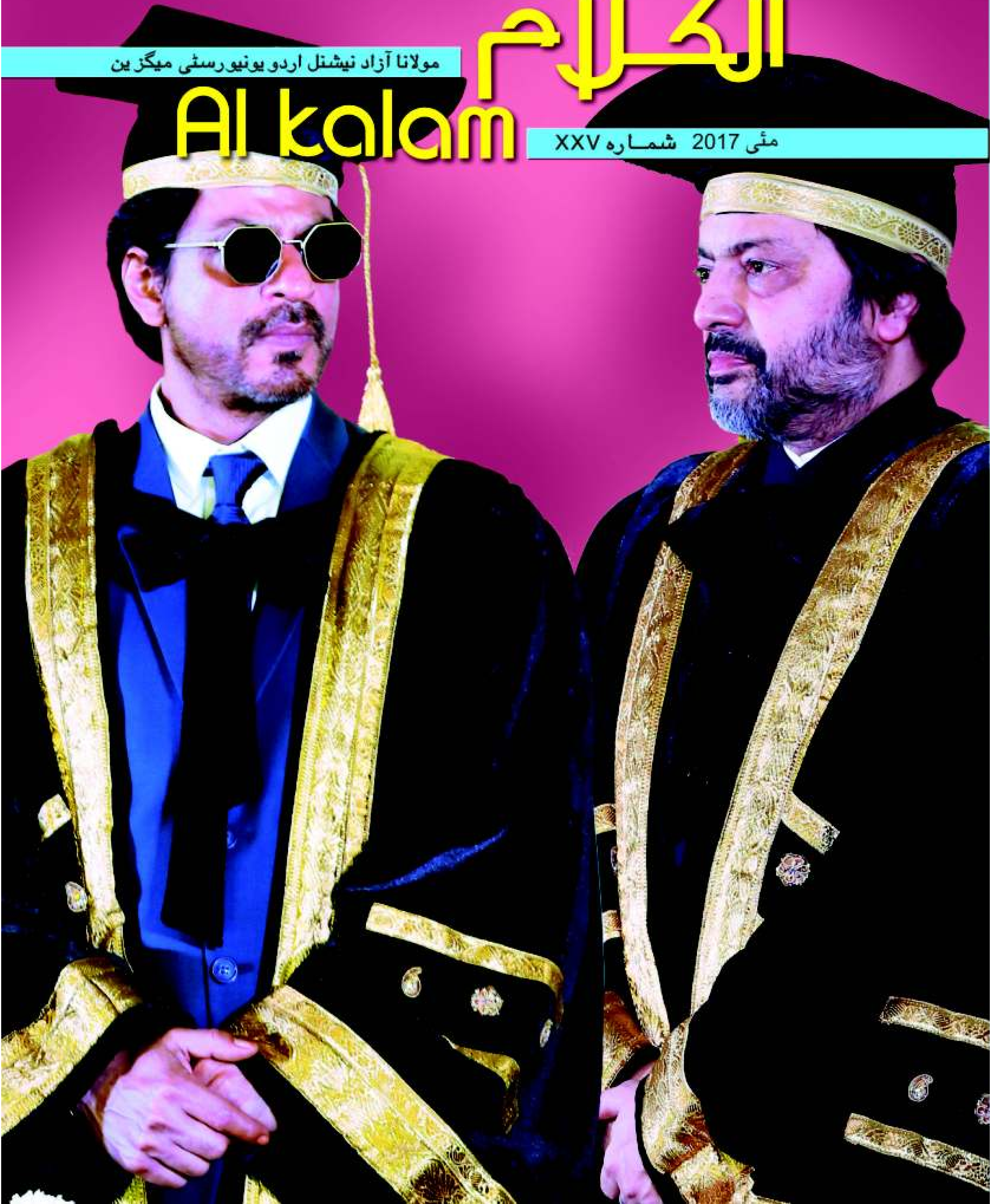

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

الکلام کو آفرین

فاصلوں کو پاٹنا ہماری ذمہ داری

یونیورسٹی میگزین ''الکلام'' کے 25ویں شمارے کی اشاعت کے موقع پر یہ چند سطریں لکھتے ہوئے مجھے فخر اور طمانیت کا احساس ہورہا ہے۔

1998 میں حیدرآباد میں قائم ہونے والی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی یہ کوشش تھی کہ جلد سے جلد اردو داں طبقے سے رابطہ کیا جائے۔ چنانچہ آغاز کے چند مہینے کے اندر ہی جنوری 1999 میں آٹھ صفحات پر مبنی ایک رسالے کی اشاعت عمل میں آئی جسے نیوز لیٹر کا نام دیا گیا۔جنوری 2002 میں اس میں کئی تبدیلیاں کی گئیں۔ اس کے سرورق کو مزید جاذب نظر بنایا گیا اور اس میں 16 صفحات کا اضافہ کر کے اسے نیوز میگزین کا نام دیا گیا۔

12 برسوں میں اس رسالے کے متعدد شماروں کی اشاعت کے بعد یونیورسٹی نے نمایاں تبدیلیوں کے ساتھ اسے نیا رنگ و آہنگ عطا کرنے کا فیصلہ کیا۔اکتوبر 2014 میں رسالے کو نیا نام دیا گیا اور ''الکلام'' کے نام سے صوری اور معنوی اعتبار سے ایک دلکش اور عصری صحافتی معیار کے شایان شان رسالے کا آغاز ہوا۔اس کے بعد سے مسلسل اس بات کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ اسے نئے موضوعات اور کالموں سے متعارف کرایا جائے،اس کی آرائش و زیبائش پر مزید توجہ دے کر اسے طلبہ،اساتذہ،غیر تدریسی ارکان اور عمومی طور پر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے وابستہ افراد کی پسند کے لائق بنایا جائے۔ ''الکلام'' کا اکتوبر 2016 کا شمارہ ہندوستان کی کثیر الابعاد شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد پر مبنی تھا۔

میں ''الکلام'' کی پوری ٹیم کو مبارکباد دیتا ہوں جس کی برسوں کی انتھک محنت کے نتیجے میں یہ رسالہ بدلتے وقت کی ضرورتوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ رکھنے میں کامیاب رہا ہے۔

یونیورسٹی میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہونے جارہا ہے اور داخلوں کا عمل جلد ہی شروع ہونے والا ہے۔ یونیورسٹی کی کوشش ہے کہ رابطہ کورس (Bridge Course) پر زور دیا جائے جس کا آغاز گذشتہ برس ہو چکا ہے۔ یہ تعلیمی پروگرام مدارس کے فارغین کو عصری تعلیم کے مختلف میدانوں میں داخلے کا موقع فراہم کرتا ہے خواہ وہ انسانیات (Humanities) کے مضامین ہوں، سماجی علوم سے متعلق مضامین ہوں یا کامرس کے۔ اس ضمن میں یونیورسٹی مدارس اور عصری تعلیم کے اداروں کے درمیان ایک پل کے طور پر کام کرنے کی آرزومند ہے۔

اتفاق سے یہ ملک کی واحد یونیورسٹی ہے جو مدارس کے طلبا و طالبات کو زبانوں اور اسلامیات جن میں چند دیگر جامعات بھی داخلہ دیتی ہیں کے علاوہ تقریباً تمام تعلیمی پروگراموں مثلاً انسانیات (Humanities)، سماجی علوم اور کامرس میں داخلہ دیتی ہے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 17-16 فروری 2017 کو اپنے کیمپس میں اردو سائنس کانگریس کا آغاز کر کے ایک منفرد شروعات کی ہے۔ اس نہایت کامیاب تقریب کا انعقاد یونیورسٹی میں حال ہی میں قائم کیے گئے اردو مرکز برائے فروغ علوم کی جانب سے کیا گیا۔ یونیورسٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر سال سائنسی علوم کی ایک کانگریس اور سماجی علوم کی ایک کانگریس منعقد کی جائے گی۔ اردو مرکز برائے فروغ علوم کو سائنس اور ٹیکنالوجی اور سماجی علوم پر مبنی دو الگ الگ حوالہ جاتی مجلوں کی اشاعت کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی ہے۔

یہ چند اہم اقدامات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ اردو میں پھر سے علوم کی آسانی سے منتقلی اور سماج کے محروم طبقے تک اس کی رسائی میں دور رس کردار ادا کریں گے۔

جناب حامد انصاری پہلا قلی قطب شاہ یادگاری لکچر پیش کرتے ہوئے۔ جناب ای ایس ایل نرسمہن، جناب محمد محمود علی، ڈاکٹر محمد اسلم پرویز اور ڈاکٹر شکیل احمد بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

ایک متمول تاریخ کا علاقائی ورثہ

آسماں بارِ امانت نہ تو انست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا پہلا محمد قلی قطب شاہ میموریل لیکچر پیش کرنا میرے لیے باعث سعادت ہے۔ میں وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس موقع پر مجھے مدعو کیا۔

اس لیکچر کے لیے اس سے زیادہ مناسب اور کوئی مقام نہیں ہوسکتا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ اس شہر کے بانی تھے جسے رشکِ جنت ہونا تھا۔ سترہویں صدی کے اوائل میں ایک انگریز سیاح نے اس شہر کی 'ہوا کی فرحت، پانی کی فراوانی اور مٹی کی زرخیزی' کی تعریف کی تھی اور اسے سلطنت مغلیہ اور دیگر ریاستوں کے کسی بھی شہر سے فزوں تر ٹھہرایا تھا۔

یہ موضوع اس مقام کا اس لیے بھی جزو لاینفک ہے کہ دکنی اردو کا اپنا ایک شجرۂ نسب ہے۔ یہ بیجاپور اور گولکنڈہ سلطنتوں کی درباری زبان تھی۔ محمد قلی قطب شاہ، بقول خود، روز اس زبان میں 'بہتی ندی کی لہروں کی مانند' اشعار موزوں کرتے تھے جنہیں اس زبان کا پہلا صاحبِ دیوان ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ وہ

پہلا محمد قلی قطب شاہ یادگاری خطبہ کا 13 ر اپریل کو انعقاد عمل میں آیا۔ عزت مآب نائب صدر جمہوریۂ ہند جناب حامد انصاری نے یہ خطبہ دیا۔
خطبہ کے اقتباسات درج کیے جارہے ہیں۔

حافظ کے پہلے مترجم تھے اور انہیں کی مساعی سے دبستان گولکنڈہ میں اسلوب فارسی میں شعر گوئی کے ایک عہد کا آغاز ہوا...

سترہویں صدی کے مورخ محمد قاسم فرشتہ نے انہیں 'عفو پرور اور نرم خو' قرار دیا ہے۔

حیدرآباد کی تعمیر کا کام 91-1590 میں شروع ہوا تھا۔ نئے شہر کی تعمیر پر بانی حیدرآباد نے ایک شعر میں اپنی آرزو کا دعائیہ اظہار یوں کیا:

مرا شہر لوگاں سے معمور کر
رکھیاں جوں توں دریا میں مِن یا سمیع

نئے شہر کی تعمیر کے محرک کی حقیقت جو بھی ہو، ہمارے وقت کے شاعر نے اس سے متعلق عوامی احساس کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

شہر باقی ہے، محبت کا نشاں باقی ہے
تو نہیں ہے تری چشمِ نگاراں باقی ہے

...یہ ضروری ہے کہ خاندانِ قطب شاہی کے دورِ حکومت کے سیاق اور تاریخی حیثیت کو سمجھا جائے جو 1523 سے 1687 تک، یعنی محض 164 برس، اس کے آخری فرماں روا ابوالحسن کے ذریعہ ایک مغل جرنیل کے آگے سپر انداز ہونے تک جاری رہا۔ اس مختصر مدت میں، یہ شہر بین الاقوامی تجارت کا ایک متحرک مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ فنِ تعمیر، شاعری، موسیقی، فنونِ لطیفہ، رقص اور طرزِ طباخی میں اپنی عظیم الشان روایات کی وجہ سے ثقافت وتمدن کے لیے ضرب المثل بن گیا...

افراد، قومیں اور پوری ریاستیں اپنے تشخص کی تعریف کوہ قامت شال کی نسبت سے کرتی تھیں، بعض اوقات اس کی مخالفت میں اور بعض اوقات اس کی مشابہت میں۔

یہ آزاد یا نیم آزاد وجود مختلف ادوار میں استعماری یورشوں سے کسی نہ کسی شکل میں دوسروں کی بالادستی قبول کر کے اپنے وجود کو بچانے میں کامیاب رہے۔ اس عمل میں، انہوں نے اپنا طرزِ حکمرانی ایجاد کرلیا۔ انہوں نے 'فن حکمرانی سے مذہب کو' اور 'علاقائی سرحدوں سے ثقافت کو' علیحدہ کردیا اور یوں ایک 'انتہائی لچک دار اور ماورائے ریاست کردار' اختیار کیا۔

معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان تعلقات

قائم کرنے میں صوفیا کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے بالآخر مذاہب اور ثقافت کے درمیان مفاہمت کی راہ ہموار ہوئی۔

دکنی ریاستوں کے فنِ حکمرانی کی دو جہات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ پہلی جہت تھی فلسفۂ حکمرانی اور ریاست کی رعایا کے تئیں عملی نقطۂ نظر (pragmatic approach) کی ضرورت۔ دوسری جہت کا تعلق برصغیر ہند میں غالب قوت سے درپیش جغرافیائی سیاسی تصورات (geopolitical considerations) سے تھا...

اس کے باوجود، حکمرانی کے تئیں ان کا نقطۂ نظر عملی اور سیکولر رہا۔ محمد قلی قطب شاہ کے والد ابراہیم کے دورِ حکومت میں انتظامی نظام کے بارے میں مؤرخ ہارون خان شیروانی لکھتے ہیں:

'جہاں تک ریاست کے معاملات کا تعلق ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔' یہی صورت حال محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں بھی قائم رہی، جس کے دورِ حکومت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہندو اور مسلم طبقات کے درمیان بھائی چارے کا جذبہ موجود تھا۔'

اور حکومت کی تمام تر پالیسی عملی طور پر تمام ریاستی دفاتر کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں میں یکساں مواقع پیدا کرنے کی تھی۔'

یہی مورخ مزید لکھتا ہے: ''اس کے دربار میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ثقافت کو مساوی نمائندگی حاصل ہے اور اگرچہ وہ مسلمانوں کے غیر شیعہ مسالک کی کمتری کے برملا اظہار میں جانبدار لگتا ہے، تاہم جہاں تک ان کے طرزِ زندگی کا سوال ہے وہ ہندوؤں، پارسیوں اور عام آدمی کے ساتھ ثقافتی طور پر یکساں رویہ رکھتا ہے۔'' نتیجتاً، سلطان کی شخصیت میں مرکوز پوری ریاست کا زاویۂ نگاہ غیر فرقہ وارانہ تھا۔

نقطۂ نظر کی اس ہمہ گیریت کا ایک اور پہلو سلطان کا تلگو زبان کے تئیں رویہ تھا۔ ان کے والد، جو وجے نگر میں ایک معزز مہمان کی حیثیت سے سات سال رہے تھے، نے تلگو زبان کا مذاق پیدا کیا۔ یہی معاملہ محمد قلی کے ساتھ تھا، جن کے لیے تلگو 'مادری زبان کی طرح' تھی اور جنہوں نے اپنی دکنی اردو کی نظموں میں تلگو الفاظ کا استعمال کثرت سے کیا اور اس کی ادبی شخصیات کو سرکاری سرپرستی دی۔ اس کے فرمان اور سرکاری اعلانات ذو لسانی ہوتے تھے۔

یوں سلطان نے دکن میں 'ثقافتوں کو کشید کرنے کی شعوری کوشش کی اور حیدرآباد کے عوام میں مذاق رواداری، ذوقِ نظارہ اور ملائمتِ طبع پیدا کردی۔' یہ بات محض اتفاق نہیں ہے کہ ان کے جانشینوں میں سے ایک کچی پُڑی طرزِ رقص کے سرپرست بنے۔

محمد قلی قطب شاہ کا ہماری تاریخ میں اہم مقام ہے اور ان کی شخصیت اور خدمات کا مطالعہ کرنا ہر اس فرد کے لیے مفید ہے جو فنِ تعمیر، زبان اور ثقافت کے ارتقا میں دلچسپی رکھتا ہے...

سیاسی قوتوں کے مابین غلبے کی کشاکش میں فنِ حکمرانی کی لفظیات برتری، غلبے اور بالادستی کی شکل

سلطان محمد قلی قطب شاہ

(ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر کی تقریر سے اقتباسات)

سرزمین دکن کو برصغیر ہندو پاک کے مختلف خطوں پر مختلف اعتبارات سے ترجیح وتفوق حاصل ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے اس میں دکن کی تقدیم اور اولیت کی وجہ یہ ہے کہ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ اس ارضِ دکن کی ایک مملکت کا حکمران تھا۔ محمد قلی کی شخصیت کے تین پہلو نہایت اہم اور نمایاں ہیں (1) وہ ایک عدل گستر، رعایا پرور اور سیکولر حکمران تھا (2) وہ نہایت پرگو اور قادرالکلام سخن ور تھا (3) وہ زبردست محبِّ وطن تھا جسے اپنے وطن کے ذرے ذرے سے والہانہ پیار تھا۔ محمد قلی کی شخصیت کے یہ تین پہلو اس قدر مربوط اور باہم اس قدر پیوست ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس کی شاعری اس کے ان تینوں اوصاف کا ایک روشن آئینہ ہے جس میں ہم اس کی حکومت، سیاست اور حب الوطنی کے جذبات کا بخوشی مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ وہ شمالی ہند کے مغل بادشاہ اکبر اعظم کا ہم عصر تھا۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ مذہبی رواداری اور وسیع القلبی میں دونوں حکمران ہم مشرب اور ہم مزاج تھے...

محمد قلی قطب شاہ کو بجا طور پر دکنی تہذیب وتمدن کا معمار کہا جاسکتا ہے۔ اس کے عہد کا ایک یادگار کارنامہ شہر حیدرآباد کی تاسیس وتعمیر ہے۔ محمد قلی نے 1590ء میں نہایت منظم اور منصوبہ بند طریقے سے یہ شہر بسایا اور اسے متمدن زندگی اور تمام ضرورتوں سے آراستہ کیا۔ شہر میں بیسیوں عالی شان، خوبصورت اور پرشکوہ محلات و ایوانات تعمیر کیے اور بے شمار باغات لگائے۔ چار مینار اسی کا تعمیر کروایا ہوا ہے...

بہ حیثیت حکمران اس کی وسیع الخیالی اور رواداری تو مسلم ہے ہی، لیکن بہ حیثیت شاعر بھی وہ خالص ہندوستانی جذبات اور ہندوستانی فکر و مزاج کی ترجمانی کرتا نظر آتا ہے۔ تعصب تو اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے آباواجداد نے دکن میں ہندو مسلم دوستی واتحاد، یگانگت، بھائی چارے اور قومی یکجہتی کی ایک شاندار روایت قائم کی تھی۔ محمد قلی اس روایت کا وارث ہی نہیں بلکہ محافظ اور فروغ دہندہ بھی تھا۔

دکن کے اس عظیم سپوت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے نیز نئی نسلوں کو اس محبِّ وطن بادشاہ سے روشناس کرانے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے اس یادگار خطبہ کا اہتمام کیا ہے جو ہر سال منعقد ہوگا۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ اس سلسلے کا افتتاحی خطبہ عزت مآب جناب حامد انصاری صاحب، نائب صدرِ جمہوریہ ہند نے پیش کرنا قبول کیا ہے۔ ہم سبھی آپ کے بے حد ممنون ومشکور ہیں کہ آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات سے وقت نکال کر یہاں تشریف لانا قبول کیا اور اس ادارے کو عزت بخشی۔

اختیار کر لیتی ہیں۔ سولہویں صدی کے اوائل میں جزیرہ نما ہند کے سیاسی جغرافیہ کی اہم ترین خصوصیت وجۓ نگر سلطنت اور (بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد) احمد نگر، بیجاپور، بیدر، برار اور گولکنڈہ کی شکل میں پانچ چھوٹی قوتوں کا غلبہ تھا...

ایک مورخ یا جغرافیائی سیاست کے ایک طالب علم کے لیے، ایک طرف مغلوں اور قطب شاہوں کے اقتدار کی رسہ کشی اور دوسری طرف صفویوں اور مغلوں کی کشاکش سیاسی بساط کے کھیل کے اصولوں پر دلچسپ روشنی ڈالتی ہے۔ یہ اصول دائمی معیار کے حامل اور وقت اور جغرافیہ کی قیود سے بالاتر ہیں۔ آلات وظروف کی دائمی نوعیت بھی واضح ہے، دھمکی یا قوت کا استعمال، عقیدے کی آڑ میں مداخلت، تجارت یا تاجروں کے استعمال یا بیجا استعمال اور نسلی و علاقائی عصبیت کی بنیادوں پر 'پانچویں ستون' کا سہارا لینے کی کوشش جن کا استعمال پالیسی کے مقاصد کے حصول میں کیا گیا۔

مورخین کا ایک دوسرا طبقہ، بلکہ عام شہری بھی، محمد قلی قطب شاہ کی وراثت میں عبوری عناصر کے بجائے دائمی عناصر کے طالب ہیں اور غالباً وہ دو سوال کرتے ہیں: 'حیدرآباد کی جانشین ریاستیں کس قسم کی سیاسی اور سماجی۔ اقتصادی ثقافت کی وارث ہیں؟ کیا ریاست حیدرآباد میں کوئی ایسا قابل قدر عنصر باقی ہے جو اب بھی ہندوستانی سیاسیات میں اہم کردار ادا کر سکے؟'

معاصر حیدرآباد نے ہنر اور کامیابی کے ساتھ اکیسویں صدی کی نئی دنیا میں اپنا مقام پیدا کیا ہے۔ توقع کی جا سکتی ہے کہ رواداری، بقائے باہمی، شمولیت اور ثقافتی ولولے کی روایت اپنی انفرادیت قائم رکھے گی اور ملک کے لیے ایک مثال بنی رہے گی۔

هم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

جۓ ہند

نظم

اردو کی جامعہ

عرش الدین رہبؔر پرتاپ گڑھی، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، مانو

یہ میری جامعہ مِری اردو کی جامعہ
یہ جامعہ ہے پیار کی خوشبو کی جامعہ
دانش گہِ زباں ہے یہ بھارت کی شان ہے
خسروؔ کی ہے ولیؔ کی ہے غالب کی جان ہے
اقبالؔ کی فراقؔ کی یہ آن بان ہے

گویا ابوالکلام کی یہ ترجمان ہے
یہ میری جامعہ مِری اردو کی جامعہ
یہ جامعہ ہے پیار کی خوشبو کی جامعہ

ہم کو فقط یہیں سے ملا درسِ آگہی
یعنی وجودِ ہستی بھی اُس کا شعور بھی
ظلمت مٹی اسی سے ملی ساری روشنی
اِس کے ہر ایک ذرّے سے ہم کو ملی خوشی
دنیا کے آگے شوکتِ ہندوستان ہے

گویا ابوالکلام کی یہ ترجمان ہے
یہ میری جامعہ مِری اردو کی جامعہ
یہ جامعہ ہے پیار کی خوشبو کی جامعہ

احساس کے وفا کے ہیں افسانے بھی یہاں
ملتے ہیں شمعِ فکر کے پروانے بھی یہاں
رہتے ہیں اہلِ ہوش بھی دیوانے بھی یہاں
مقصد پہ مٹنے والے ہیں فرزانے بھی یہاں
تہذیبِ آدمی کی یہی پاسبان ہے

گویا ابوالکلام کی یہ ترجمان ہے
یہ میری جامعہ مِری اردو کی جامعہ
یہ جامعہ ہے پیار کی خوشبو کی جامعہ

دنیا میں بے مثال ہیں طلبہ یہاں کے سب
ہر فن میں باکمال ہیں طلبہ یہاں کے سب
ہر حال حسبِ حال ہیں طلبہ یہاں کے سب
انسانیت کی ڈھال ہیں طلبہ یہاں کے سب
عیسائی ہندو سکھ کی مسلماں کی جان ہے

گویا ابوالکلام کی یہ ترجمان ہے
یہ میری جامعہ مِری اردو کی جامعہ
یہ جامعہ ہے پیار کی خوشبو کی جامعہ

یوم تاسیس

اختراعی کاوشوں ہی سے ملک کی ترقی ممکن

یونیورسٹی کا یوم تاسیس 9 جنوری 2017 کو منایا گیا۔ اس موقع پر معروف بین الاقوامی سائنسداں اور نیتی آیوگ کے رکن ڈاکٹر وی کے سرسوت نے ڈی ڈی ای آڈیٹوریم میں یوم تاسیس خطبہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کی ترقی میں سائنس اور ٹکنالوجی کا بہت اہم رول رہا ہے۔ اسی لیے آزادی کے بعد ہمارے دور اندیش قائدین نے سب سے پہلے اسی جانب توجہ دی اور ملک کو ترقی کی جانب گامزن کیا۔ مختلف شعبوں مثلاً زراعت، سبز انقلاب، صنعت و حرفت، جوہری توانائی وغیرہ میں ہمارے سائنسدانوں نے بہت اہم اور نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں جس کی وجہ سے آج ہم بہت سے شعبوں میں خودکفیل ہو سکے ہیں۔

انہوں نے سائنس اور ٹکنالوجی کے مختلف اہم ترین شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیا ہے۔ ڈی آر ڈی او میں بھارت رتن ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات اور ان کے ساتھ کام کرنے کے اپنے تجربوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ٹیم ورک، نصب العین، مشن اور اختراعی سرگرمیوں پر ڈاکٹر کلام بہت توجہ دیتے تھے۔

انہوں نے کہا کہ ''میں آج جو کچھ بھی ہوں وہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی وجہ سے ہوں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مشکلات آتی ہیں۔ گھبرانے کی بجائے ثابت قدمی سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ تبھی کامیابی ملتی ہے۔ کیونکہ زندگی کوئی سیدھا راستہ نہیں ہے۔''

ڈاکٹر سرسوت نے کہا کہ اختراعی عمل سے ہی ملک کی ترقی ممکن ہے۔ ہمہ جہت معاشی ترقی کا انحصار اسی پر ہے۔ نئے نئے خیالات اور غور و فکر ہی سے یہ ممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ اختراعی سرگرمیاں اختیار کر کے ہی ہم سرمایہ پیدا کر سکتے ہیں اور روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سرسوت نے کہا کہ ہر شعبۂ حیات میں ہمیں غیر ممالک پر انحصار کو ختم کرنا ہوگا اور اختراعی کاوشوں سے ہی یہ ممکن ہے۔

انہوں نے کہا کہ نیوکلیائی توانائی کے پلانٹ آج ہندوستان میں پوری دنیا میں سب سے زیادہ لگائے جا رہے ہیں۔ دفاعی میدان میں بھی ہندوستان نے خاصی ترقی کی ہے۔ بڑے ممالک کی مخالفت کے باوجود ہمارا ملک مختلف شعبوں میں خودکفیل بنا ہے۔

ڈاکٹر سرسوت نے کہا کہ ہندوستان میں آج 30 کروڑ عوام غربی کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ زراعت کا جی ڈی پی بہت کم ہے۔ بچوں کی 42 فیصد تعداد تغذیہ کی کمی کا شکار ہے۔ ہر دن تیس افراد گاؤوں سے شہر کی طرف ہجرت کر رہے ہیں ۔ 30 کروڑ گھروں میں اب بھی بجلی نہیں ہے۔ فیکٹریوں میں تمام آلات بیرونی ممالک سے برآمد کرنے پڑ رہے ہیں۔ ان تمام حالات کو اپنی اختراعی کاوشوں ہی سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نوجوانوں کو ملک کی ترقی کے لیے اپنی اختراعی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ملک کو سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں خودکفیل بنانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ڈیجیٹائزیشن کی وجہ سے سیکوریٹی کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ سائبر جرائم میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس معاملے میں ریسرچ بہت اہم ہے۔ اسی لیے زندگی میں تخلیق، تخیل، نئے خیالات اور خطرہ مول لینے کا جذبہ بہت ضروری ہے۔

ڈاکٹر سرسوت نے اردو یونیورسٹی کے طلبہ کو پیغام دیتے ہوئے کہا کہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے۔ اس خوبی کو افضلیت (Excellence) میں بدلنا ضروری ہے۔ انسان کو اپنی صلاحیت کا اندازہ قائم کرتے ہوئے ایک ہدف مقرر کر کے آگے بڑھنا چاہیے۔ معاشی ترقی، اختراعات کے ذریعہ ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے کہا کہ اپنے کاموں کے تئیں عزم مصمم بہت ضروری ہے۔ ہم جس شعبہ میں بھی کام کر رہے ہوں اس میں ڈوب کر کام کرنا چاہیے۔ آج کے دن ہمیں عزم کے ساتھ اس بات کا تہیہ کرنا چاہیے۔ کام کے تئیں اپنے میدان میں خود کو وقف کر دینے ہی سے کسی کو اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہوتا ہے۔ پروگرام کی کارروائی ڈاکٹر آمنہ تحسین، ڈائرکٹر انچارج، مرکز برائے مطالعاتِ نسواں نے چلائی اور میر ایوب علی خان، کنسلٹنٹ نے شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر شکیل احمد، پرو وائس چانسلر بھی شہ نشین پر موجود تھے۔ پروگرام کی ابتدا شعبۂ اسلامیات کے طالب علم محمد خالد کی قرأت اور ترجمانی سے ہوئی۔

ڈاکٹر وی کے سرسوت یوم تاسیس خطبہ پیش کرتے ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، ڈاکٹر شکیل احمد اور ڈاکٹر آمنہ تحسین بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

مانو کا چھٹا جلسۂ تقسیم اسناد

شاہ رخ خان اور سنجیو صراف کو اعزازی ڈاکٹریٹ

ممتاز فلم اداکار شاہ رخ خان نے یونیورسٹی کے چھٹے جلسۂ تقسیم اسناد میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں تعلیم سے زیادہ کسی بھی چیز کی اہمیت نہیں ہے۔ جو کوئی تعلیم حاصل کرتا ہے وہ قابل فخر ہے۔

شاہ رخ خان کو 26 دسمبر 2016 کو منعقدہ جلسۂ تقسیم اسناد میں اعزازی ڈاکٹریٹ سے سرفراز کیا گیا۔ جناب ظفر یونس سریش والا، چانسلر اردو یونیورسٹی نے جلسے کی صدارت کی۔ جلسۂ تقسیم اسناد میں ایک اور ممتاز شخصیت اور محبّ اردو ریختہ فاؤنڈیشن کے بانی جناب سنجیو صراف کو بھی اعزازی ڈاکٹریٹ سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر نے خطبۂ استقبالیہ دیا اور یونیورسٹی کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔

شاہ رخ خان نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اردو یونیورسٹی میں آکر وہ جذباتی ہوگئے ہیں۔ یہاں آنے سے ان کے والد مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔ شاہ رخ کے والد اردو کے زبردست دلدادہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مداح تھے۔ شاہ رخ نے اردو یونیورسٹی کی اعزازی ڈگری قبول کرتے ہوئے از راہِ انکساری کہا کہ وہ اس اعزاز کے قابل ہیں کہ نہیں، یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ البتہ ان کے والد مرحوم تعلیم کی اہمیت ہمیشہ اجاگر کرتے تھے اور بہت دلکش اردو بولتے تھے۔ بالی ووڈ میں بادشاہ خاں کے نام سے مشہور فلم اسٹار نے اعتراف کیا کہ اردو یونیورسٹی سے اس اعزاز کے حصول پر وہ بہت خوش ہیں۔ دوہری مسرت اس بات کی ہے کہ حیدرآباد میں انہیں اعزازی ڈاکٹریٹ دی جارہی ہے، جو ان کی والدہ مرحومہ کا مقامِ پیدائش ہے۔ اعزازی ڈاکٹریٹ کے حصول نے مجھے اس بات کا پابند کردیا ہے کہ میں اپنے کام کے ذریعہ تعلیم کے شعبے میں بھی خدمت انجام دوں۔ شاہ رخ خان نے اپنی روانگی سے قبل دوبارہ نوجوان طلبہ وطالبات کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ وہی کام کیجیے جو آپ کے دل میں ہے۔ نوجوانوں میں سب سے زیادہ جوش اور جذبہ پایا جاتا ہے۔ زندگی کا یہ ایک نایاب موقع ہے اس سے استفادہ کیجیے۔ شاہ رخ نے ماضی کے دریچوں پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے انکشاف کیا کہ ان کے والد مرحوم نے سالگرہ کے موقع پر شطرنج کا ایک سیٹ انہیں تحفہ میں دیا تھا اور کہا تھا کہ شطرنج کی یہ بساط زندگی میں کئی اہم سبق سکھاتی ہے۔ آگے بڑھنے کے لیے ایک دوسرے کا تعاون ضروری ہے اور آگے بڑھنے کے لیے بعض وقت پیچھے بھی ہٹنا پڑتا ہے۔ پیادہ کی اہمیت بھی مسلم ہے، یہ سکھاتا ہے کہ کوئی بھی انسان چھوٹا نہیں ہوتا۔ زندگی میں بعض وقت اپنی عزیز ترین شئے کو بھی قربان کرنا پڑتا ہے۔ شاہ رخ نے بتایا کہ ان کے والد مرحوم نے انہیں ایک ٹائپ رائٹر بھی تحفہ میں دیا تھا اور کہا تھا کہ اسے بہت احتیاط سے استعمال کریں، کیونکہ اس پر اگر کوئی غلط حرف ٹائپ کردیا تو مٹانا مشکل ہے۔ انہوں نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ جو بھی کام کریں اس میں مہارت پیدا کریں اور مہارت کے لیے مسلسل مشق ضروری ہے۔ ہر کام یوں سمجھ کر کیا جائے کہ یہ زندگی کا آخری کام ہے۔ ''شوق اگر پیشہ بن جائے تو کیا بات ہے۔'' شاہ رخ کے مطابق ہر آدمی میں تخلیقیت ہوتی ہے اور ضروری نہیں کہ شخصیت کا یہ پہلو دنیا کو پسند آئے۔ مگر اسے سنبھال کر رکھنا چاہیے کیونکہ تنہائی میں یہی آپ کا سہارا بنے گا۔ شاہ رخ خان نے زندگی میں حس مزاح اور زندہ دلی کی اہمیت پر بھی زور دیا اور نصیحت کی کہ زندگی از خود بہت بڑا تحفہ ہے اس کی قدر کیجیے۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ افراد کے مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہر شخص اپنی زندگی سے جوجھ رہا ہے اور ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق ہی لب کشائی کرتا ہے۔ دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرنے سے پہلے ان کے پس منظر اور حالات کو ملحوظ رکھیں۔ شاہ رخ خان نے اس منفرد اعزاز کے لیے یونیورسٹی کے چانسلر ظفر سریش والا اور وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کا شکریہ ادا کیا۔

جناب سنجیو صراف، بانی ریختہ فاؤنڈیشن نے اپنی تقریر میں اعزازی ڈاکٹریٹ

کے لیے یونیورسٹی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے اردو زبان کی خدمت کو اپنی خوش بختی قرار دیا اور کہا کہ اردو زبان کی رگوں میں ہندو ویدانت اور اسلامی تصوف کا خون دوڑ رہا ہے۔ یہ زبان مذہبی تنگ نظری اور شدت پسندی کے خلاف ہے۔ ہندوستان اور ساری دنیا میں اردو کے ایسے کروڑ ہا چاہنے والے ہیں جو اردو رسم الخط نہ جاننے کے باوجود اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ریختہ ڈاٹ کام ویب سائٹ ایسے ہی شائقین اردو کے لیے قائم کی گئی ہے۔ ریختہ کی لائبریری میں 23 ہزار کتابیں ڈیجیٹل شکل میں محفوظ ہیں۔ ان میں میر تقی میر کا کلام، دیوانِ غالب اور داستان امیر حمزہ کی تمام جلدیں شامل ہیں۔ جناب سنجیو صراف نے اُردو یونیورسٹی سے ملنے والی اعزازی ڈگری کو ریختہ فاؤنڈیشن کے لیے اعزاز قرار دیا اور اپنی تقریر کا اختتام مخدوم محی الدین کے اس شعر سے کیا:

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

جناب ظفر سریش والا نے اپنی صدارتی تقریر میں طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی محنت کے نتیجہ کے طور پر سند اور تمغے عطا کیے گئے ہیں۔ کونووکیشن کسی بھی یونیورسٹی کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کا ایک عمدہ موقع ہے۔ جناب سریش والا نے اعتراف کیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسی عظیم شخصیت سے موسوم یونیورسٹی سے وابستگی ان کے لیے قابل فخر ہے۔ ان کے والد مرحوم مولانا آزاد کے زبردست مداح تھے۔ اردو یونیورسٹی سے وابستگی کے بعد اس بات کا انکشاف ہوا کہ اردو اب صرف شعر و ادب کی زبان نہیں رہی بلکہ اس کے ذریعہ جدید علوم بھی سیکھے جاسکتے ہیں۔ اس جلسۂ تقسیم اسناد میں مختلف ڈگریوں کی تقسیم اس بات کا ثبوت ہے۔ چانسلر نے اعزازی ڈگری حاصل کرنے والی دونوں شخصیات کو مبارکباد دی اور کہا کہ اردو کے فروغ میں ہندی فلموں نے اہم رول ادا کیا ہے اور اس کام میں شاہ رخ خان کا بھی اہم کردار ہے۔ شاہ رخ خان کی آمد یونیورسٹی کے لیے ایک اہم واقعہ ہے۔ جناب سریش والا نے مزید کہا کہ ڈگری کا حصول زندگی کا ایک اہم سنگ میل ہے اسے بنیاد بنا کر مزید آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ فارغ التحصیل طلبہ جہاں بھی رہیں، علم سے اپنا رابطہ قائم رکھیں۔ ڈگری کا حصول آپ کی محنت اور صلاحیت کو تسلیم کرنے کے مماثل ہے۔ فارغ التحصیل طلبہ یونیورسٹی کا نام روشن کریں۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے خطبۂ استقبالیہ اور یونیورسٹی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے مختلف میدانوں کی دو اہم شخصیات کو اعزازی ڈگری پیش کیے جانے پر اظہار مسرت کیا۔ انہوں نے کہا کہ اردو یونیورسٹی کو اردو ذریعہ تعلیم سے حصول علم کے خواہش مندوں کے لیے جدید ترین عصری ٹکنالوجی کے حامل ایک بابِ علم کی حیثیت دینے کی شعوری کوشش کی جارہی ہے۔ اردو بولنے والے افراد کی اعلیٰ تعلیم میں مستحکم شمولیت کو مسلسل کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے کے لیے مستقبل کا ایک منصوبہ تیار ہے۔ اس موقع پر شہ نشین پر ڈاکٹر شکیل احمد، پرووائس چانسلر و رجسٹرار انچارج، پروفیسر محمد شاہد، کنٹرولر امتحانات، پروفیسر پی فضل الرحمٰن چیف نوڈل آفیسر کونووکیشن اور مختلف اسکولوں کے ڈین موجود تھے۔

تعلیمی جلوس کے جلسہ گاہ میں داخلہ کے ساتھ جلسے کا آغاز ہوا۔ قومی ترانہ اور یونیورسٹی ترانہ بھی پیش کیا گیا۔ اس موقع پر یونیورسٹی کیمپس میں واقع اسپورٹس گراؤنڈ میں نہایت وسیع و عریض پنڈال نصب کیا گیا تھا اور یونیورسٹی میں فارغ التحصیل طلبہ اور مہمانوں کی گہما گہمی نے جشن کا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ شہر حیدرآباد کے متعدد معززین بھی اس موقع پر موجود تھے۔ گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کورسز میں سرفہرست آنے والے طلبہ کو طلائی تمغے بھی پیش کیے گئے۔ ریگولر اور فاصلاتی طرز کے 2013، 2014، 2015 اور 2016 کے مختلف پروگراموں بشمول ایم فل طلبا کو کانوکیشن کے بعد اُن کے متعلقہ شعبوں میں اسنادات دیے گئے۔ 2,885 فارغ التحصیل طلبا کو مختلف مضامین میں گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کی سند عطا کی گئی اور 276 طلبا کو ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سندیں دی گئیں۔ جلسۂ تقسیم اسناد میں فاصلاتی طرز کے کُل 44,235 گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کے فارغین کو بھی ان کی غیر حاضری میں اسناد دی گئیں۔

بھوپال کیمپس کا افتتاح
دوروزہ قومی سمینار کا انعقاد

وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز سمینار کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے۔

بھوپال میں 4/فروری کو یونیورسٹی کے کیمپس کا افتتاح ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ مدھیہ پردیش حکومت نے 2013 میں 16.5 ایکڑ اراضی یونیورسٹی کو دی تھی، جس کی دیواری اور صدر دروازے کا کام حال ہی میں مکمل ہوا ہے۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے وائس چانسلر نے کہا کہ ہمارے سماج اور معاشرے میں استاد کا بہت اہم رول ہے۔ تدریس بے حد چنوتی بھرا پیشہ ہے۔ اساتذہ اپنے طلبہ کی ذہن سازی اور شخصیت سازی کا اہم فریضہ بھی ادا کرتے ہیں۔ کیمپس کے افتتاح کے بعد انھوں نے یونیورسٹی کے بھوپال ریجنل سنٹر اور قومی اردو کونسل، نئی دہلی کے زیر اشتراک منعقدہ دوروزہ قومی سیمینار ''اردو ذریعہ تعلیم میں اختصاص اور روزگار کے مواقع'' کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کی تربیت سے غفلت ہمارے معاشرتی زوال کا بنیادی سبب ہے۔ تربیت کی اہمیت تعلیم سے زیادہ ہے۔ بچوں کی مناسب تربیت اور ذہنی نشو ونما والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اختصاص کا تعلق عدل یا انصاف سے ہے۔ اساتذہ اگر ایمانداری سے طلبہ کو پڑھائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں اختصاص پیدا نہ ہو اور ان کو اچھی ملازمت نہ ملے۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے زیر تربیت اساتذہ کو ایک اچھا انسان، ایک اچھا اور ذمہ دار استاد بننے اور اپنے پیشے سے پورا انصاف کرنے کی ترغیب دی۔ سیمینار میں مدھیہ پردیش، مہاراشٹرا، جموں اور کشمیر، تلنگانہ، بہار اور دہلی کے ماہرین نے مقالے پیش کیے۔

معروف ماہر تعلیم اور مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے سابق چیئرمین پروفیسر حلیم خاں نے ایکسیلنس اور اختصاص پر زور دیتے ہوئے کہا کہ کھرے سکے کو بازار میں جگہ ملتی ہے اور اسے کسی سفارش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے صدرنشیں پروفیسر عمادالدین نے اپنی مختصر تقریر میں یہ تیقن دلایا کہ وہ حکومت سے یونیورسٹی کیمپس کو بھرپور تعاون دلانے کی کوشش کریں گے۔ پروفیسر محمد احسن، ریجنل ڈائرکٹر بھوپال ریجنل سنٹر نے اس موقع پر کلیدی خطبہ دیا۔ سی ٹی ای بھوپال کے پرنسپل پروفیسر عبدالودود صدیقی، شہر قاضی سید مشتاق علی ندوی نے دعائیہ کلمات سے نوازا۔ جلسے کی نظامت ممتاز شاعر اور مدھیہ پردیش اردو اکادمی کے سابق سکریٹری ڈاکٹر اقبال مسعود نے کی جبکہ ڈاکٹر محمد سادات خاں، اسسٹنٹ ریجنل ڈائرکٹر، بھوپال ریجنل سنٹر نے اظہار تشکر پیش کیا۔ جلسے کا آغاز قاری حافظ ندیم عثمانی کی قرأت کلام پاک سے ہوا۔ دانشوروں اور طلبہ کی کثیر تعداد موجود تھی۔

ڈاکٹر شکیل احمد اُردو یونیورسٹی کے نئے پرووائس چانسلر

ڈاکٹر شکیل احمد، رجسٹرار مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے یکم دسمبر 2016 کو یونیورسٹی کے پرووائس

ڈاکٹر شکیل احمد

چانسلر کی حیثیت سے اپنے عہدہ کا جائزہ حاصل کیا۔

ڈاکٹر شکیل احمد نے یکم/فروری 2016 کو یونیورسٹی کے رجسٹرار کی حیثیت سے جائزہ لیا تھا۔

اس سے قبل وہ یو.جی سی میں جوائنٹ سکریٹری اور جامعہ ہمدرد نیز یونیورسٹی آف دہلی میں ڈپٹی رجسٹرار کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1985 میں بی کام اور 1992 میں عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم کام کیا۔ انہوں نے 1998 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر شکیل احمد کی کتاب ''ہیومن ریسورس ڈیولپمنٹ ان یونیورسٹیز'' (Human Resource Development in Universities)، 1999 میں شائع ہوئی۔ اُن کے تحقیقی مقالات کینیڈا، کویت، نیدرلینڈ اور امریکہ کے رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے 31 تحقیقی مقالات مؤقر قومی رسائل و جرائد میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

پروفیشنل کھلاڑی بننے کے لیے سخت محنت ناگزیر

سابق ٹسٹ کرکٹر اور ٹریز جناب ارشد ایوب نے 30 مارچ کو یونیورسٹی کی سالانہ تقریب تقسیم انعامات میں بحیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ وہ دن گئے جب کھیل کود کو بچوں کے لیے نقصاندہ تصور کیا جاتا تھا۔ آج نوجوان کھیل کود کی دنیا میں نمایاں کامیابی کے ذریعہ اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔ کسی بھی کھیل میں پروفیشنل کھلاڑی بننے کے لیے کڑی محنت، مسلسل توجہ اور جد و جہد ضروری ہیں۔

جناب ارشد ایوب نے سخت محنت کے لیے مختلف نامور کھلاڑیوں کی مثال پیش کی اور بتایا کہ ان عظیم کھلاڑیوں نے کن مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ملک اور بین الاقوامی سطح پر اپنا لوہا منوایا۔ انہوں نے یونیورسٹی میں اسپورٹس زمرے میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ بطور خاص جوڈو چمپئن حسن علی باوزیر اور باڈی بلڈنگ چمپئن محمد اسلم کو انعامات سے نوازا۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے صدارتی خطاب میں اس نوعیت کے پہلے پروگرام کے انعقاد پر منتظمین کی ستائش کی۔ انہوں نے کہا کہ ارشد ایوب جیسی نامور شخصیت کی موجودگی یقیناً طلبہ کی حوصلہ افزائی کا باعث بنے گی۔ وائس چانسلر نے تعلیمی میدان میں نمایاں کارکردگی پیش کرنے والے طلبہ، یوم آزاد تقاریب، آزاد ٹیک فیسٹ میں حصہ لینے والے، این ایس ایس اور این سی سی میں بہترین کارکردگی کے حامل طلبہ میں انعامات تقسیم کیے۔

ڈاکٹر شکیل احمد، پرووائس چانسلر، نے کہا کہ جب سے جناب انیس احسن اعظمی نے مرکز مطالعاتِ اردو ثقافت کی ذمہ داری سنبھالی ہے، ثقافتی سرگرمیوں کو کافی فروغ ملا ہے۔ اس کے لیے یقینی طور پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ثقافتی مقابلوں میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے طلبہ میں انعامات تقسیم کیے۔

پروفیسر مشتاق احمد آئی پٹیل، ڈین بہبودیِ طلبہ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ پروگرام کی کاروائی پروفیسر صدیقی محمد محمود، شعبۂ تعلیم و تربیت اور ڈاکٹر آمنہ تحسین، ڈائرکٹر انچارج مرکز برائے مطالعاتِ نسواں نے چلائی۔ ڈاکٹر رضوان الحق انصاری، اسسٹنٹ ڈین بہبودیِ طلبہ نے شکریہ ادا کیا۔

پروگرام میں یونیورسٹی اور یونیورسٹی کے باہر اوّل مقام حاصل کرنے والے تقریباً 120 طلبہ میں انعامات تقسیم کیے گئے۔

ہندی - اردو کی روح ایک

شعبۂ ہندی کی جانب سے دوروزہ بین الاقوامی سمینار ''ہندی اور اردو کی ساجھی وراثت'' کا 30 اور 31 / مارچ کو اہتمام گیا۔ اردو- ہندی کے مشہور قلمکار محترمہ ناصرہ شرما نے افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ زبان پر سب کا حق ہے۔ اگر اسے کوئی چھیننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس کی وراثت چھیننے کی کوشش ہے۔ اردو- ہندی ادب میں تجربے کیے جارہے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کے الفاظ کو استعمال کیا جارہا ہے۔ ایسا کرنے سے ادیبوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر ایسا کوئی کرتا ہے تو وہ ان دونوں زبانوں کو لہولہان کر رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر نے اپنے خطاب میں کہا کہ حالیہ وقت میں رشتے بڑی تیزی سے سمٹ رہے ہیں جسے ہمیں آگے بڑھ کر روکنے کی ضرورت ہے۔

ہندی کے مشہور ادیب پروفیسر اصغر وجاہت نے کہا کہ اردو- ہندی دستوری اور لسانی سائنس کے نظریہ سے الگ ہوتے ہوئے بھی دونوں کی روح ایک ہے۔ انہوں نے کہا کہ میڈیا اور کاروباری ادارے ان دونوں زبانوں کا اپنے فائدے کے لیے بخوبی استعمال کر رہے ہیں اور انہیں مساوی طور پر بازار کی زبان بنانے میں مصروف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کئی پبلشر آگے آکر ان زبانوں کے ادب کے تراجم بازار میں پیش کر رہے ہیں۔ جس سے ان ادب پاروں کو پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس موقع پر امریکہ کی ساؤتھ کیرولینا یونیورسٹی سے آئے ہوئے اردو- ہندی کے پروفیسر جان شیلڈ نے بتایا کہ اردو- ہندی زبانیں گنگا جمنی تہذیب کی ایک اہم مثال ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سنسکرت اور فارسی کا زیادہ استعمال ان دونوں زبانوں کے لیے خطرے کا سبب ہوسکتا ہے، جس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

پروفیسر نصیر احمد خان نے کہا کہ دونوں زبانیں پورے ملک میں رابطہ کی زبانیں ہیں اور مساوی طور پر پورے ملک کو آپس میں جوڑتی ہیں۔

سمینار کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر کرن سنگھ اتوال نے بتایا کہ اس سمینار کے انعقاد کا اہم مقصد اردو- ہندی زبانوں کے مختلف سماجی، ثقافتی مثبت پہلوؤں پر بحث کرنا ہے تاکہ ایک ترقی پذیر سماج کی تشکیل میں ہم معاون ثابت ہوسکیں۔

اس موقع پر شعبۂ ہندی کے صدر ڈاکٹر خالد مبشر الظفر کے علاوہ یونیورسٹی کے دیگر شعبوں کے اساتذہ، طلبہ اور اسکالرس بڑی تعداد میں موجود تھے۔

محترمہ ناصرہ شرما سمینار کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، پروفیسر اصغر وجاہت، پروفیسر ناصر احمد خان، ڈاکٹر خالد مبشر الظفر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

اجتماعی کوششوں سے اردو کو محض شعروادب کی زبان سے آگے بڑھا کر علوم کی زبان بنانا ممکن

اوّلین کانگریس ذاکر حسین دہلی کالج (قدیم دہلی کالج) میں منعقد کی گئی تھی، دوسری کانگریس کا انعقاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہوا تھا اور اب تیسرا اجتماع امسال مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں وقوع پذیر ہوا۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 16 فروری 2017 کو ایک دوروزہ اردو سائنس کانگریس کا اہتمام کیا جس میں تقریباً 70 سائنسداں، ماہرین، مصنّفین، مترجمین اساتذہ، صحافی و دیگر مقالہ نگاران اور سیکڑوں سامعین نے شرکت کی۔

افتتاحی اجلاس کی صدارت مانو کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے کی اور مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے اردو کی پہلی جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ایس راما چندرم تشریف فرما تھے۔

پروفیسر راما چندرم نے اپنے خطاب میں کہا کہ ''عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنے قیام 1917 سے ہی مختلف علوم کی اردو میں تعلیم دی ہے، حتیٰ کہ میڈیکل اور انجینئرنگ کی بھی، ان کے لیے اردو میں بڑی تعداد میں کتابیں تیار کی گئیں۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ نے عالمی سطح پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ دانشور، مفکر اور سائنسداں بنے۔ اب مانو نے وہاں سے اپنا سفر شروع کیا ہے جہاں جامعہ عثمانیہ کا اردو ذریعۂ تعلیم کا تدریسی سفر رک گیا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ مانو میں سائنس اور دیگر علوم کی تعلیم اردو میں دی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ مجھے امید ہے کہ ہم سب اپنی مسلسل کوششوں سے اردو کا جو قیمتی سرمایہ قوم کے حوالے کر رہے ہیں وہ محفوظ ہاتھوں میں جا رہا ہے۔ اردو سائنس کانگریس کا مقصد یہ ہے کہ اردو والوں میں بیداری لائی جائے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ہماری اجتماعی کوششوں سے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اردو محض شعروادب کی زبان نہ رہتے ہوئے علم کی زبان بن جائے گی۔ اردو یونیورسٹی کا اہم کام اردو میں علوم کا فروغ ہے۔

مایاناز ماہر نباتیات پروفیسر اقتدار حسین فاروقی نیز ماہر حشرات وزراعتی سائنس پروفیسر شمس الاسلام فاروقی بھی شہ نشین پر موجود تھے۔ پروفیسر اقتدار نے فرمایا کہ ''اگر ہندوستان میں اردو والوں کو ترقی کرنی ہے اور ملک میں اپنا مقام بنانا ہے تو انھیں سائنس میں ترقی کرنی ہوگی اور سائنسی مزاج بنانا اور اسے رواج دینا ہوگا۔

پروفیسر شمس الاسلام فاروقی نے کہا کہ اردو میں سائنسی ادب کی تخلیق وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ایک ایسے وقت جب اردو میں سائنس پر لکھنا بیکار محض سمجھا جا رہا ہے انجمن فروغِ سائنس کا قیام اور ماہنامہ اردو 'سائنس' کا اجرا ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

مہمانان کا خیر مقدم پرووائس چانسلر ڈاکٹر شکیل احمد نے گلدستے سے کیا۔ انھوں نے ڈاکٹر عابد معز اور ان کے رفقا کو اس کارآمد و مفید کانگریس کے انعقاد پر مبارکباد دی۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر آمنہ تحسین (ڈائرکٹر انچارج مرکز برائے مطالعاتِ نسواں) نے انجام دیے۔

افتتاحی اجلاس میں سائنس نگاری کے باب میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں کی پذیرائی کرتے ہوئے اسناد و اعزازات سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، پروفیسر اقتدار حسین فاروقی (لکھنؤ)، ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی (دہلی)، عبدالمعز شمس (علیگڑھ)، پروفیسر ظفر احسن (علیگڑھ)، ڈاکٹر ریحان انصاری (بھیونڈی)، سید سکندر علی (اکولہ)، ڈاکٹر جاوید احمد (کامٹی)، پروفیسر وہاب قیصر اور ڈاکٹر عابد معز (حیدرآباد) کو 'نشانِ آزاد' یادگاری تحفہ پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ مستقل سائنس نگاروں اور مدرسین کی خدمت میں توصیفی اسناد بھی پیش کی گئیں۔

افتتاحی اجلاس میں پروفیسر راما چندرم، ڈاکٹر محمد اسلم پرویز اور ڈاکٹر شکیل احمد نے چھ نئی کتابوں کی رسم اجرا انجام دی، جن میں 'سائنس نامہ (منتخب مضامین)' از ڈاکٹر محمد اقتدار حسین فاروقی، 'شعورِ صحت' از ڈاکٹر ریحان انصاری، 'سائنس ہمارے آس پاس' از ڈاکٹر جاوید احمد کامٹوی، 'مسلمان سائنسدانوں کی خدمات (بچوں کے لیے)' از عبدالودود انصاری،

اردو مرکز برائے فروغِ علوم کا قیام

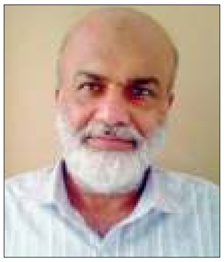

پچھلی نصف صدی سے زائد عرصہ میں اردو بتدریج تفریحی، ادبی اور مذہبی زبان کی حیثیت اختیار کرتی چلی گئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کہا جانے لگا کہ اردو سائنس، ٹکنالوجی اور دیگر علوم کی زبان بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یہ بات یوں غلط ثابت ہوتی ہے کہ ماضی میں اردو زبان کو علوم کی زبان بنانے کا کامیاب تجربہ جامعہ عثمانیہ میں کیا گیا تھا۔ اس اقدام کے تقریباً پون صدی بعد اردو کو علوم کا ذریعہ بنانے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 2016ء کے اواخر میں اپنے کیمپس میں ''اردو مرکز برائے فروغ علوم'' قائم کیا ہے۔ اس مرکز کے تحت مختلف علوم سے متعلق معلوماتی یا کارآمد مواد کو زبان میں پیش کرنے کے لیے وسائل کو یکجا کیا جائے گا۔ ملک بھر سے اردو میں مختلف علوم سے متعلق ماہرین اور ان کی اردو تخلیقات کو اکٹھا کیا جائے گا۔ ہر سال کم سے کم ماہرین کے دو اجتماعات 'قومی اردو سائنس کانگریس' اور 'قومی اردو سماجی علوم کانگریس' کا انعقاد بھی کیا جائے گا۔ ان کے علاوہ اس مرکز سے سائنسی اور سماجی علوم کے دو حوالہ جاتی مجلّے بھی شائع کیے جائیں گے۔ اردو مرکز برائے فروغ علوم کی جانب سے اردو والوں میں سائنسی شعور اور سائنسی مزاج پیدا کرنے کی کوششیں بھی کی جائیں گی۔ 'اردو مرکز برائے فروغ علوم نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز اردو میں سائنس کے مختلف میدانوں میں لکھنے والے سائنسدانوں، مصنفین، مؤلفین، مترجمین اور شائقین معلوماتی ادب کی ایک دوروزہ کانگریس سے (16 تا 17 فروری 2017) سے کیا۔ معروف ادیب و معالج سید خواجہ معزالدین (عابد معز) کا تقرر اس مرکز کے مشیر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

پروفیسر ایس راما چندرم افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، پروفیسر شمس الاسلام فاروقی، پروفیسر محمد اقتدار حسین اور ڈاکٹر شکیل احمد بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

’کھانے میں ہماری صحت ہے‘ از ڈاکٹر عابد معز اور ’سائنس کوئز‘ از عزیز ہاشمی شامل۔

ڈاکٹر عابد معز، کنسلٹنٹ اردو مرکز برائے فروغِ علوم اور کنوینر اردو سائنس کانگریس 2017 نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اردو میں علوم کا ماضی جامعہ عثمانیہ سے وابستہ تھا اور مستقبل مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے منسلک ہے۔ اگر یہ دونوں جامعات ایک مشترکہ لائحۂ عمل تیار کریں تو اس اشتراک سے ایک بہتر نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے۔ اس بزمِ افتتاح کا اختتام قومی ترانے سے ہوا۔

افتتاحی اجلاس کے بعد ڈی ڈی آڈیٹوریم، سی پی ڈی یو ایم ٹی آڈیٹوریم اور سید حامد لائبریری میں چار مختلف اور متوازی سیشن مسلسل جاری رہے اور ان میں مختلف و متنوع نیز جدید تر عنوانات پر ساٹھ سے زائد مقالات اور بصری پریزنٹیشن پیش کیے گئے۔

اردو میں سائنسی اور دیگر علوم کی مطبوعات کی ایک نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا جس کا افتتاح سی پی ڈی یو ایم ٹی آڈیٹوریم کے صحن میں ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس کا انصرام ڈاکٹر سید صلاح الدین نے کیا تھا۔ اس نمائش میں سو سے زیادہ کتابیں پیش کی گئیں۔

اس کانگریس میں درج ذیل مقالہ نگاران نے مقالے اور خطبات پیش کیے۔ پروفیسر اقتدار حسین فاروقی، پروفیسر شمس الاسلام فاروقی، پروفیسر راشد حیات صدیقی، ڈاکٹر عبدالمعز شمس، پروفیسر ظفر احسن، پروفیسر احمد سجاد، پروفیسر وہاب قیصر، پروفیسر جمال نصرت، انیس الحسن صدیقی، پروفیسر عبدالباری، شاہین نظر، محمد خلیل، اسعد فیصل فاروقی، ڈاکٹر ریحان انصاری، ایس ایس علی، شاہد رشید، عبدالودود انصاری، ڈاکٹر جاوید احمد کامٹوی، ڈاکٹر خواجہ عبدالنعیم، ڈاکٹر محمد عبدالودود خان، سیدہ مظہر سلطانہ، عزیز احمد ہاشمی، ڈاکٹر عبدالسمیع صوفی، اعجاز عبید، محمد شکیل انجینئر، ڈاکٹر خورشید اقبال، سیدہ فاطمہ زہرہ، پروفیسر ایم ایم شیخ، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر، جاوید نہال حشمی، عبدالملک مومن، معشوق ربانی، تبریز عالم، جنید عبدالقیوم، ضیاء الرحمٰن انصاری، خواجہ تقی الدین، قاسم بادشاہ زبیری، ڈاکٹر وقار النسا، یوسف مڑکی، فریدہ راج، عبدالرسول (سلیم) یوسف شیخ، محبوب الحق، فاروق طاہر، ڈاکٹر اظہر ماجد صدیقی، توصیف خان، روبینہ مصباح، رفعت النسا قادری، سید عبدالرشید، سید عبدالباسط شکیل، محمد احتشام الحسن، ڈاکٹر نسیم بانو، وسیم احمد میر، زاہد زبیر، منت اللہ صدیقی اور انصار احمد معروفی، ابوہریرہ یوسفی۔ ان تمام اجلاسوں کی جدا جدا نظامت کے فرائض ڈاکٹر حکیم علیم باشا، مصطفیٰ علی سروری، ڈاکٹر معراج اسلام رباب، سید امان عبید، ڈاکٹر شمس الہدیٰ، ڈاکٹر شیخ مقبول احمد، جمیل احمد، ڈاکٹر ارشاد احمد، ڈاکٹر عرشیہ اعظم اور ڈاکٹر فیروز عالم نے انجام دیئے۔

پہلے روز شام کو شرکا کے ادبی ذوق کو سیرابی و مہمیز دینے کے لیے سید حامد لائبریری میں ایک ادبی محفل کا بھی اہتمام کیا گیا۔ صدارت پروفیسر نسیم الدین فریس، اسکول برائے السنہ، لسانیات و ہندوستانیات نے کی۔ اس کی نظامت پروفیسر محمد محمود صدیقی کو سونپی گئی تھی۔ اس میں بیشتر شرکا نے اپنے تحریر کردہ افسانے، افسانچے، انشائیے، طنزیہ و مزاحیہ مضامین، نظمیں، سائنسی نظمیں اور غزلیں وغیرہ پیش کیں۔ پروفیسر نسیم الدین فریس، ڈین نے سائنس نگاروں کے ذوقِ ادب نویسی کی خوب داد دی اور اسے اپنی زندگی کا پہلا اور خوشگوار تجربہ قرار دیا۔ ڈاکٹر عابد معز نے مہمانان کا شکریہ ادا کیا۔

دو روزہ اردو سائنس کانگریس کا اختتامی اجلاس بھی سید حامد لائبریری آڈیٹوریم میں منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر اسلم پرویز نے کی۔ پروفیسر احمد سجاد، پروفیسر راشد حیات، اعجاز عبید، محمد شکیل انجینئر، ڈاکٹر خورشید اقبال، سیدہ فاطمہ زہرہ اور دیگر نے اپنے تاثرات و خیالات پیش کیے۔ ڈاکٹر ریحان انصاری نے کانگریس کی اجمالی روداد نیز قرارداد پیش کی۔

اردو شاعری اور کلچر کی مقبولیت میں داغ دہلوی کا کردار نا قابل فراموش

شعبۂ اردو نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے تعاون سے 21 تا23 ستمبر 2016 سہ روزہ قومی سمینار ''نواب مرزا خان داغؔ دہلوی: عہد، حیات اور فکر و فن'' کا اہتمام کیا۔

سمینار کے افتتاحی اجلاس میں ممتاز دانشور و نقاد پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر ایمریٹس شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی نے کہا کہ داغؔ دہلوی نے اردو شعری روایت کے ارتقاء اور مقبولیت میں میر، غالب اور اقبال سے زیادہ اہم رول ادا کیا۔ صنف غزل کو فروغ دینے میں داغ کے رول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے عشق کے موضوع کو بہت ہی شوخ انداز میں اپنی غزلوں میں جگہ دی۔

پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ زبان میں تحریکیں یا روایتیں بھلے ہی بڑے شاعروں کی دین ہوتی ہیں لیکن یہ اس وقت تک پنپ نہیں سکتیں جب تک کہ عوامی شعرا انہیں برتنے نہ لگیں۔ داغ نے اردو غزل کو نہایت سہل انداز میں پیش کیا۔ داغ کی شاعری نہایت منفرد ہے۔ انہوں نے اردو شاعری کو عام کرنے کی کوشش کی اور اردو کلچر کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔ داغ کے ہزاروں شاگرد تھے جنہوں نے شعری روایات کو پروان چڑھایا۔ خود علامہ اقبال بھی ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ اقبال کی ابتدائی دور کی شاعری پر داغ کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے داغ کے انتقال پر 1905 میں مشہور مرثیہ لکھا تھا۔ پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ داغ امنگ اور زندہ دلی کے ترجمان ہیں۔ غزل کی صنف داغ کے بغیر ادھوری ہے۔ پروفیسر حنفی نے ممتاز نقاد و محقق جناب شمس الرحمٰن فاروقی کے حوالے سے کہا کہ شعر کے حسن کے معاملے میں داغ سنجیدہ شاعر تھے۔ زبان اور محاوروں پر ان کی گرفت نہایت مضبوط تھی۔ پروفیسر حنفی کے مطابق زندہ دلی ہی داغ کی پہچان ہے۔ اردو دنیا کے دور دراز علاقوں تک داغ کی شاعری کا اجالا خوب پھیلا۔ انہوں نے اردو میں اعلیٰ معیار کی شاعری کا راستہ ہموار کیا۔ اقبال کا داغ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوجانا محض اتفاق نہیں تھا۔

وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے صدارتی خطاب میں کہا کہ زبان صرف ادب سے زندہ نہیں رہ سکتی۔ انہوں نے کہا کہ اردو کو علوم کی زبان بنانے کے لیے اردو یونیورسٹی میں اردو سائنس کانگریس اور اردو سماجی علوم کانگریس کے سالانہ انعقاد کی تجویز ہے۔ انہوں نے اعادہ کیا کہ مختلف مضامین کے علمی مواد کی اردو میں فراہمی یونیورسٹی کی اولین ضرورت ہے۔

مہمانِ اعزازی ڈاکٹر تقی عابدی (کنیڈا) نے داغ کو کلاسیکی غزل کا آخری شاعر قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ریسرچ اسکالروں کو داغ کے محاوروں پر کام کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ داغ کے کلام میں بے پناہ فصاحت ہے اور محاوروں کا استعمال اس طرح کیا گیا جیسے زیور میں نگینے جڑے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ داغ کے تقریباً لاتعداد شاگرد تھے۔ لیکن آج کے دور کی شاعری کا المیہ یہ ہے کہ اردو شاعری میں استاد شاگرد کا رشتہ تقریباً ختم ہوچکا ہے۔ جس کا اثر شاعری پر نمایاں نظر آرہا ہے۔ انہوں نے داغ کی شاعری کو تین ادوار، قلعہ کی شاعری، رامپور کی شاعری اور حیدرآباد کی شاعری پر مشتمل قرار دیا۔

پروفیسر نسیم الدین فریس، ڈین اسکول برائے السنہ، لسانیات و ہندوستانیات نے کہا کہ داغ کا عہد سیاسی تاریخ کا ایک اہم باب رہا ہے اور خود داغ ہماری کلاسیکی شاعری کا ایک اہم باب ہیں۔ خونیں سیاسی ماحول کا داغ کی شاعری پر اثر کیوں مرتب نہیں ہوا یہ ایک تحقیق طلب امر ہے۔ ممتاز ہم عصر شاعر امیر مینائی سے داغ کی دوستی ان کی شخصیت کا مثبت پہلو ہے۔

پروفیسر ابوالکلام، صدر شعبۂ اردو و ڈائرکٹر سمینار نے خیر مقدم کیا اور سمینار کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر مسرت جہاں، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو نے مہمانوں کا تعارف پیش کیا۔ ڈاکٹر بی بی رضا خاتون، اسسٹنٹ پروفیسر نے شکریہ ادا کیا۔ ابتدائی اجلاس کا آغاز محمد قاسم کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ ڈاکٹر عمیر منظر اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، لکھنؤ کیمپس نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اس موقع پر مولانا الطاف حسین حالی پر ڈاکٹر تقی عابدی کی مرتبہ تین کتابوں کی رسم اجرا انجام دی گئی۔

مولانا الطاف حسین حالی پر ڈاکٹر تقی عابدی کی مرتبہ تین کتابوں کی رسم اجرا کے موقع پر دائیں سے پروفیسر ابوالکلام، ڈاکٹر تقی عابدی، ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر نسیم الدین فریس

فارسی کے ذریعہ علوم کی ہندوستان منتقلی ایک تمدن کی منتقلی تھی

شعبۂ فارسی اور قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے سہ روزہ بین الاقوامی سمینار ''سائنسی علوم وٹکنالوجی کے ہند-فارسی مآخذ'' کا 21 تا 23/ مارچ 2017 اہتمام کیا گیا۔ افتتاحی اجلاس میں ممتاز اسکالر پروفیسر چندر شیکھر، شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی نے کلیدی خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ فارسی ہندوستان کے طول وعرض میں علوم کی زبان رہی ہے۔ اس میں بطور خاص طب، نجوم، نباتیات، حیوانیات اور دیگر موضوعات کے ساتھ بے شمار ریوینیو ریکارڈس بھی ملتے ہیں۔ پروفیسر عرفان حبیب کے اٹلس (Atlas) میں ریوینیو کے نقطۂ نظر سے مختلف علاقوں کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ان میں فصلوں میں اضافہ کرنے کے طریقے، آفاتِ سماوی، کیڑوں، چڑیوں وغیرہ سے ہونے والے نقصان اور ان سے محفوظ رہنے کے طریقوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بیاض خوشبوئی جس کا نسخہ برٹش لائبریری میں محفوظ ہے، میں مختلف عطروں کی تیاری کے طریقے درج ہیں۔ قیمتی پتھروں جیسے زمرد، یاقوت، مروارید، لعل وغیرہ کا ذکر جواہر ہمایونی اور دوسری کتابوں میں ملتا ہے۔

ڈاکٹر شکیل احمد، پرووائس چانسلر نے صدارتی خطاب میں کہا کہ فارسی ابتدا ہی سے علوم کی زبان رہی ہے۔ اس میں مختلف زبانوں سے کیے گئے ترجمے افراط میں ملتے ہیں۔ ہندوستان میں بطور خاص سنسکرت میں موجود کتابوں کے فارسی ترجمے کیے گئے۔

پدم شری پروفیسر محمد عبدالوحید، سابق ڈائرکٹر، سنٹرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، حیدرآباد نے اپنے خطاب میں کہا کہ 1724 سے 1824 تک کے دور میں تقریباً ایک کروڑ نسخے ملتے ہیں جو روزمرہ زندگی، سائنس، ٹکنالوجی اور دیگر موضوعات پر لکھے گئے۔ انہوں نے بطور خاص ابن بیطار کی ادویہ سازی اور اس پر تحقیق پر توجہ دلائی۔

جناب آغا سید نثار حسین، رکن تلنگانہ وقف بورڈ نے کہا کہ اس طرح کے سمینار کا مقصد ثقافتی ورثہ کو یاد کرنا ہے۔

ابتدا میں پروفیسر عزیز بانو، ڈائرکٹر سمینار وصدر شعبۂ فارسی نے خیر مقدم کیا اور سمینار کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ ریسرچ اسکالر مقصود حسین شاہ کی قرأت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، شعبۂ فارسی کے شکریہ پر افتتاحی اجلاس ختم ہوا۔

اختتامی اجلاس میں 23/ مارچ کو جناب خرم شاد، سکریٹری، اسٹریٹجک کونسل آن فارن ریلیشنس ایران نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فارسی کے ذریعہ نجوم، ریاضی، طب، جغرافیہ، سیاست، فلسفہ جیسے علوم کی ہندوستان منتقلی ایک تمدن کی منتقلی تھی۔ انہوں نے صدر شعبۂ فارسی پروفیسر عزیز بانو سے خواہش کی کہ وہ ہندوستان میں طب پر موجود کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کروائیں تاکہ ایرانیوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔

ڈاکٹر اسلم پرویز نے صدارتی خطاب میں کہا کہ ہند اور ایران کے تعلقات بہت پرانے ہیں۔ ان تعلقات کو علوم کے تبادلہ کے لیے فروغ دینا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ فارسی میں جو کام ہندوستان میں ہوا ہے اس کی مثال شاذ ونادر ہی کسی اور ملک میں ملے گی۔ جناب حسن نوریان، قونصل جنرل ایران متعینہ حیدرآباد نے کہا کہ ہندوستان اور ایران کے تعلقات ایک ہزار سال قدیم ہیں۔ ہندوستان میں 5000 ایرانی طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ایسے میں ان دونوں ملکوں کے تعلقات میں مزید بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر عبدالخالق رشید، وزیٹنگ پروفیسر، یونیورسٹی آف کابل نے کہا کہ فارسی میں مختلف علوم پر لاتعداد مخطوطات موجود ہیں۔ ہر طالب علم اگر ایک مخطوطہ پر تحقیق کرے تو اس سے ان علوم کا احیا آسانی سے کیا جاسکے گا۔

جناب خرم شاد اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے۔ (دائیں سے) پروفیسر عبدالخالق رشید، جناب حسن نوریان، ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، پروفیسر عزیز بانو

پروفیسر عزیز بانو، ڈائرکٹر سمینار وصدر شعبۂ فارسی نے ابتداء میں سمینار کی رپورٹ پیش کی اور کارروائی چلائی۔ ڈاکٹر قیصر احمد، اسسٹنٹ پروفیسر نے مہمانوں کا تعارف اور خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر سیدہ عصمت جہاں نے شکریہ ادا کیا۔ مختار احمد کی قرأت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ اختتامی اجلاس کے بعد ایران کے مشہور موسیقاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔

بون یونیورسٹی کی پروفیسر ایوا آرتھمن کا دکنیات پر خطاب

شعبۂ فارسی کی جانب سے جرمنی کی معروف اسکالر پروفیسر ایوا آرتھمن، شعبۂ اسلامیات بون یونیورسٹی، جرمنی کا ''ہند-ایرانی تراجم تحریک: دکن میں سلہوترا (فرس نامہ) کا ابتدائی ترجمہ'' کے زیرعنوان 3 جنوری کو خصوصی لکچر کا اہتمام کیا گیا۔ پروفیسر ایوا نے اپنے لکچر کو بہمنی دور کے فرس نامہ پر مرکوز کرتے ہوئے تصاویر کی مدد سے مخطوطوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا اور بتایا کہ اس دور میں کس طرح گھوڑوں کے بالوں اور جسم پر پائے جانے والے نشانوں کی بنیاد پر کسی گھوڑے کو خوش بخت یا منحوس قرار دیا جاتا تھا اور ان کے برتاؤ، اقسام اور حرکات و سکنات کے مطابق درجہ بندی بھی کی جاتی تھی۔ پروفیسر آرتھمن نے ترجمہ کی مختلف روایات کا جائزہ لیتے ہوئے ہندوستانی زبانوں بالخصوص سنسکرت سے فارسی میں کیے جانے والے تراجم پر تفصیلی روشنی ڈالی اور ویدوں اور رامائن کے حوالہ سے پاور پوائنٹ کے ذریعہ سلہوترا یا فرس نامہ کا تاریخی پس منظر پیش کیا۔ وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز اور پروفیسر چندر شیکھر، صدر شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی نے بھی خطاب کیا۔

مرکز مطالعاتِ اردو ثقافت، زبان کے تہذیبی ورثے کے فروغ کے لیے کوشاں

ادب اطفال کی تیاری پر ورکشاپ: مرکز مطالعاتِ اردو ثقافت نے ''پرتھم بکس'' کے تعاون سے 27 تا 29 /اگست ایک ورکشاپ ''بچوں کے لیے اردو میں لکھنا سیکھیں'' منعقد کیا۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر نے اس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کے لیے لکھنا ایک بہت مشکل اور چنوتی بھرا کام ہے۔ آسان زبان میں مشکل خیالات کی پیش کش، مشق وریاضت کے بعد ہی ممکن ہے۔ پرتھم بکس کی چیف ایڈیٹر محترمہ منیشا چودھری نے کہا کہ سیکھنے کے لیے لاعلمی کا اعتراف ضروری ہے۔ دل اور دماغ کے درمیان فاصلے بڑھانے کو ہم نے علم کا نام دے رکھا ہے۔ جناب راجیش کھر، ایڈیٹر پرتھم نے شرکا سے کہا کہ آپ خود اپنے لیے لکھیں اور قلم کار کا ایماندار رہنا ضروری ہے۔ محترمہ پونم گردھانی نے اعتراف کیا کہ بچوں کے لیے لکھنا خاصا مشکل ہے کیونکہ ہمیں کیا لکھنا ہے اس سے زیادہ یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ہمیں کیا نہیں لکھنا ہے۔ جناب انیس احسن اعظمی، مشیر اعلیٰ، اردو مرکز نے ورکشاپ کی مختصر روداد پیش کرتے ہوئے شرکا کی ستائش کی اور وائس چانسلر کی اجازت سے مرکز میں وال میگزین اور کہانی کلب کے آغاز کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر فیروز عالم، اسسٹنٹ پروفیسر، اردو مرکز نے کارروائی چلائی اور شکریہ ادا کیا۔ اس ورکشاپ سے 35 طلبہ وطالبات کے علاوہ چند اساتذہ نے بھی استفادہ کیا۔

1857 پر تاریخی نمائش: مرکز کی جانب سے 26 تا 28 جنوری 2017 کو ''1857۔ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی'' کے زیرعنوان ایک تاریخی نمائش کا انعقاد کیا گیا، جس میں 1857 کے تمام اہم واقعات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ تصویروں، پینٹنگس، فرمانوں اور اعلانات کے ذریعہ پیش کیا گیا۔ اردو، ہندی اور انگریزی میں تمام تاریخی مواد یکجا کر کے نوجوانوں کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ ملک کی آزادی کے لیے ہمارے اسلاف نے کتنی قربانیاں پیش کی ہیں۔ نمائش میں یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات کو بہادر شاہ ظفر (دانش اقبال، بی ایڈ)، رانی لکشمی بائی (رخسانہ بیگم، ایم اے ہندی)، تانتیا ٹوپے (محمد توفیق ندیم، پالیٹکنک سول)، بیگم حضرت محل (سبھا شری لنکا، ایم اے، ہندی)، عظیم اللہ خاں (محمد جاں نثار عالم، بی ایڈ)، کرنل ہڈسن (اعجاز احمد، ایم بی اے) منگل پانڈے (محمد عامر، بی ایڈ) اور نقارچی (محمد شمعون، ایم فل) کے لباس اور میک اپ میں پیش کیا گیا۔ راہی معصوم رضا کے تحریر کردہ کورس ''سنو بھائیو سنو کتھا ستاون کی'' میں مدیحہ ماہین، ثنا فاطمہ، عظمیٰ، عالیہ کوثر، نزہت فرحانہ، شاکر اختر، وشنو پریا، حبیبہ فردوس اور محمد ظفر امام شامل تھے۔ شہر کے مختلف اسکولوں کے ہزاروں طلبہ نمائش دیکھنے آئے۔

مرکز مطالعاتِ اردو ثقافت

اردو ثقافت کے تحفظ اور فروغ کے لیے یونیورسٹی میں مرکز مطالعاتِ اردو ثقافت قائم کیا گیا ہے۔ اس مرکز کے تحت اردو تہذیب وثقافت سے وابستہ فنون، مظاہر اور روایات کی بازیافت اور تحفظ کی کوششیں جاری ہیں۔ پہلے اس مرکز کا نام مرکز برائے اردو زبان، ادب اور ثقافت تھا۔ اس کا دائرہ کار بے حد وسیع تھا جس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ایک چھت کے نیچے ممکن نہیں تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مرکوز انداز میں کسی ایک پہلو پر پوری توجہ صرف کی جائے۔ اس لیے اس کا نام بدل کر اسے صرف اردو ثقافت تک مرکوز رکھنے کی کوشش کی گئی جو کہ خود اپنے آپ میں بہت وسیع اور معنی خیز ہے۔ مرکز مسلسل ایسے پروگرام منعقد کر رہا ہے جن کے ذریعے اردو تہذیب وثقافت کی بقا وفروغ کی راہیں ہموار کی جاسکیں۔

ڈراما ''دادی اماں مان بھی جاؤ'' کی پیش کش: یوم آزاد تقاریب 2016 کے موقع پر 7 /نومبر کو اوپن ایئر تھیٹر میں اسٹاف کے بچوں نے ڈراما ''دادی اماں مان بھی جاؤ'' پیش کیا۔ مرکز کے ذریعے منعقدہ ایک ماہ کے تھیٹر ورکشاپ میں تیار کردہ اس ڈرامے کے مصنف اور ہدایت کار جناب انیس اعظمی تھے۔ اس موقع پر ممتاز نقاد اور ڈراما نگار شمیم حنفی مہمان خصوصی تھے۔ شمیم حنفی نے کہا کہ آج تک اتنا اچھا تلفظ اور ایسی بے تکلفانہ برجستگی کسی اور اسکول یا کالج میں انہیں دیکھنے کو نہیں ملی۔ یونیورسٹی کے میڈیا کنسلٹنٹ اور یوم آزاد تقاریب 2016 کے کنوینر جناب میر ایوب علی خاں نے کہا کہ میں پروفیسر شمیم حنفی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے شروع سے آخر تک پورا ڈراما نہایت انہماک سے دیکھا اور خوب محظوظ ہوئے اور اپنی موجودگی کے ذریعے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ یوم آزاد تقاریب کے صدر نشین جناب انیس اعظمی نے اس موقع پر ڈرامے کے اداکاروں کے ساتھ یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات کی بھی ستائش کی۔

ڈرامے میں زید فیروز، سید محمد مشرف، شیخ محمد راحیل، ابوذر فیروز، شیخ محمد ریحان اور تنیشا پالگری نے راوی کے طور پر دلچسپ انداز میں ڈرامے کے موضوع اور کرداروں سے متعارف کرایا۔ ڈرامے میں راحت فیروز نے دادی اماں، فضا فردوس نے اماں، عاکفہ خان نے پھوپھی، اے منوسول نے کام والی بائی، مریم شادان نے روبینہ، زویا احمد نے ثمینہ، استوتی مہیما نے فہمینہ اور تنیشا نے ننھی لڑکی کا کردار موثر انداز میں ادا کیا۔

ثقافتی شام کا انعقاد: 29 /نومبر کو ساؤتھ زون سنٹرل یونیورسٹیز وائس چانسلرس میٹ کے موقع پر نظامت فاصلاتی تعلیم آڈیٹوریم میں ایک پرکشش ثقافتی شام کا انعقاد کیا گیا۔ طلبہ نے ڈاکٹر وسیم پٹھان اور ڈاکٹر کرن سنگھ اتوال کی رہنمائی میں قومی ترانہ، یونیورسٹی کا ترانہ اور علی سردار جعفری کا تخلیق کردہ ترانہ اردو پیش کیا۔ بعد ازاں خطوط غالب کی ڈرامائی قرأت جناب انیس اعظمی نے کی۔ خطوط کی قرأت کے بعد ممتاز غزل گلوکارہ محترمہ رادھیکا چوپڑا نے مختلف شعرا کا کلام اپنی مترنم آواز میں پیش کیا۔

وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے ڈاکٹر رادھیکا چوپڑا کو شال اور گلدستہ پیش کر کے ان کا خیر مقدم کیا اور یونیورسٹی کے رجسٹرار ڈاکٹر شکیل احمد نے ان کی خدمت میں یادگار پیش کیا۔ اس ثقافتی شام کے سامعین میں اسوسی ایشن آف انڈین یونیورسٹیز کے سکریٹری جنرل اور سابق وائس چانسلر سنٹرل یونیورسٹی آف ہماچل پردیش پروفیسر فرقان قمر، مختلف بارہ

یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر، ملک کے کئی اہم اداروں کے سربراہان اور مانو کے رجسٹرار ڈاکٹر شکیل احمد، معززین شہر کے علاوہ سامعین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اس پروگرام کی نظامت محمد شمعون نے کی اور اظہار تشکر ڈاکٹر آمنہ تحسین نے بے حد دلکش انداز میں کیا۔

محفلِ داستان گوئی: 30/اگست کو مرکز کی جانب سے ڈی ڈی ای آڈیٹوریم میں محفلِ داستان گوئی منعقد ہوئی۔ معروف داستان گو پونم گردھانی اور انکت چڈھا نے ''داستانِ امیر حمزہ اور عمرو عیار'' جو ''طلسم ہوشربا'' کا حصہ ہے، اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ انہوں نے امیر حمزہ و عمر عیار کے بچپن کے واقعات بہت ہی دلفریب انداز میں پیش کیے۔ دوسرے دور میں ساقی نامہ کے بعد افراسیاب کے دربار میں عمرو عیار کی عیاری کی حیرت انگیز داستان مؤثر انداز میں بیان کی۔ ابتدا میں اردو کے اس قدیم فن کے بارے میں جناب انکت چڈھا نے بتایا کہ طلسم ہوشربا ایک ہزار سال قبل عربی میں بیان کردہ داستانوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے 600 سال بعد یہ فن ہندوستان آیا۔ مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں اسے بہت فروغ حاصل ہوا۔ پھر نول کشور پریس، لکھنؤ نے اسے 46 جلدوں پر مشتمل تحریری کہانی کی شکل دی۔ یہ فن آہستہ آہستہ معدوم ہوتا گیا، لیکن نامور نقاد شمس الرحمٰن فاروقی نے تحقیق کے ذریعہ اس کی بازیافت میں اہم رول ادا کیا۔ اب یہ تھیئٹر کی دنیا میں ایک منفرد فن بن چکا ہے۔ محفلِ داستان گوئی کی ہدایت جناب محمود فاروقی نے دی جبکہ پیشکشی محترمہ انوشا رضوی کی تھی۔

داستان گوئی ورکشاپ: 9 تا 14 جنوری 2017 مرکز کی جانب سے چھ روزہ داستان گوئی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں معروف داستان گو اور تھیئٹر اداکارہ محترمہ پونم گردھانی نے طالبات کو داستان گوئی کی تربیت دی۔ اس کے افتتاحی اجلاس میں وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے کہا کہ ''ہماری یونیورسٹی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بچیوں کو ہر قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سماج کو عورتوں کے تئیں حساس بنانے اور خوشگوار تبدیلی لانے کا کام فن اور ثقافت کا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ ہمارے طالبات کی جھجک بھی دور ہو اور شرم و حیا کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔'' انھوں نے فنِ داستان گوئی کے سلسلے میں اس ورکشاپ کی ہدایت کار محترمہ پونم گردھانی کی خدمات کو خراج تحسین بھی پیش کیا۔

ڈاکٹر شکیل احمد پرووائس چانسلر نے کہا کہ مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے جب میں اپنی یونیورسٹی کے طلبہ بالخصوص طالبات کو جوش و خروش کے ساتھ نئے میدانوں میں سرگرم عمل دیکھتا ہوں۔ ہم مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ طلبہ کی خود اعتمادی کو مزید فروغ دیا جاسکے۔ محترمہ پونم گردھانی نے کہا کہ اردو یونیورسٹی میں نہ صرف اردو زبان، ادب و تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش ہو رہی ہے بلکہ اردو کے تہذیبی سرمائے اور ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لیے بھی بنیادی کام ہو رہا ہے۔ جناب انیس اعظمی نے کہا کہ طلبہ کی ذہنی نشو و نما کے لئے پرفارمنگ آرٹ اور فنون لطیفہ میں ان کی شمولیت بے حد ضروری ہے۔

داستان گوئی ورکشاپ کے اختتام پر 14 جنوری کی شام نظامت فاصلاتی تعلیم کے آڈیٹوریم میں ''محفل داستان گوئی'' کا انعقاد کیا گیا۔ مہمان خصوصی نائب شیخ الجامعہ

جناب انیس احسن اعظمی ورکشاپ ''بچوں کے لیے اُردو میں لکھنا سیکھیں'' سے خطاب کرتے ہوئے۔ دائیں سے محترمہ پونم گردھانی، محترمہ منیشا چودھری، ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، ڈاکٹر شکیل احمد، جناب راجیش کھرا اور محترمہ مالا کمار دیکھے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر شکیل احمد نے کہا کہ جناب انیس اعظمی کی منصوبہ بندی، محترمہ پونم گردھانی کی تربیت اور یونیورسٹی کی طالبات کی محنت کا ثمرہ ہے کہ محض چھ دن کے ورکشاپ میں یہ لڑکیاں یونیورسٹی کے اسٹیج پر اپنے اساتذہ اور دیگر اکابرین کے سامنے پرکشش انداز میں داستان گوئی کے قابل ہوگئیں۔ محفل داستان گوئی کی خاص بات یہ تھی کہ چھ طالبات کا تعلق ملک کی چھ الگ الگ ریاستوں سے ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو پورے ملک کی زبان ہے اور اس کے بولنے اور پڑھنے والے ہندوستان کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ شاذیہ تمکین، عرشیہ تسنیم، اسما، رقیہ نبی، کے اطہر صائمہ علی خان اور مدیحہ ماہین نے داستان پیش کی جبکہ شبنم شمشاد اور نغمہ شاہدہ نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

''لباس اور شخصیت'' پر چھ روزہ ورکشاپ: مرکز کی جانب سے 18/تا 23/فروری ''لباس اور شخصیت'' کے موضوع پر ایک ورکشاپ منعقد کیا گیا جس کی ڈائرکٹر ممتاز کاسٹیوم ڈیزائنر محترمہ کرتی وی شرما تھیں۔ انھوں نے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسان کے لباس سے اس کی پہچان بنتی ہے۔ لباس کے ذریعہ انسان کی نفسیات، سماجی حیثیت اور ذہن و مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ ہر انسان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اپنی شخصیت کے مثبت پہلوؤں کو کیسے ابھارا جائے۔ صدر جلسہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز وائس چانسلر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''کپڑا انسانی تہذیب کی پہچان ہے۔ دراصل تہذیب کا آغاز ہی کپڑے سے ہوا۔ آج کی نئی نسل بغیر سوچے سمجھے کچھ بھی پہن لیتی ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں موقع و محل، عمر، موسم اور اپنی شخصیت کی مناسبت سے کپڑے پہننے چاہئیں۔'' جناب انیس اعظمی نے ورکشاپ کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ لباس کا ہماری زندگی میں نہایت اہم رول ہوتا ہے۔ ہمارے ملبوسات کی نوعیت اور رنگ سے ہماری شخصیت اور مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔ خواتین عموماً اس سلسلے میں فطری طور پر بے حد حساس ہوتی ہیں اور اکثر اس کشمکش میں رہتی ہیں کہ کسی خاص موقعے پر کیا پہنیں۔ یہ یونیورسٹی کی طالبات اور خواتین عملے

کے لیے ایک سنہرا موقع ہے کہ نیشنل اسکول آف ڈراما کی کاسٹیوم ڈیزائنر محترمہ کیرتی وی شرما سے استفادہ کریں۔اس ورکشاپ میں 36 طالبات کے علاوہ تدریسی وغیر تدریسی عملے کی خواتین اوراسٹاف کے افرادخانہ (خواتین) نے بھی شرکت کی۔

یونیورسٹی کی نئی تمثیل گاہ کا افتتاح اور ڈراما ''چوراہا'' کی پیش کش:

28/مارچ 2017 کو یونیورسٹی کیمپس میں نوتعمیر شدہ تمثیل گاہ (Amphitheatre) کا افتتاح معروف تھیئٹر اور فلم آرٹسٹ جناب ایم کے رینا نے کیا۔انھوں نے اس موقع پر عالمی تھیئٹر ڈے لیکچر بعنوان ''ہماری تہذیب وثقافت اورفنون لطیفہ'' پیش کرتے ہوئے کہا کہ '' آج کے دور میں تھیئٹر نئی نئی تبدیلیوں سے ہم کنار ہو رہا ہے اورتھیئٹر کا روایتی تصور اب بدل رہا ہے۔تھیئٹر اب آڈیٹوریم کے حصار سے نکل کر کھلے آسمان کے نیچے ہونے لگا ہے۔پوری دنیا میں اب space کی کمی محسوس کی جارہی ہے۔اس صورت حال میں اوپن ایئر تھیئٹر ایک اہم متبادل کے طور پر ابھرا ہے۔''

وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے ڈراما ''چوراہا'' کی پراثر پیش کش پر مرکز مطالعاتِ اردو ثقافت کو مبارکباد دی اور کہا کہ اس ڈرامے کے مصنف اور ہدایت کار جناب انیس اعظمی نے ایک نہایت اہم موضوع پر یہ ڈراما تحریر کیا ہے۔

چالیس منٹ کے دورانیہ پر مشتمل اس ڈرامے کے بارے میں جناب انیس اعظمی نے بتایا کہ اس کا پلاٹ ایک جھونپڑپٹی کے گرد گھومتا ہے جس کے درمیان ایک چوراہا ہے۔عموماً شام کے وقت اس چوراہے پر بستی کے مکین جمع ہوتے ہیں اوران کے درمیان کھٹی میٹھی گفتگو کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔اس ڈرامے میں ان اداکاروں نے غریبی، بے بسی، مجبوری، محکومی جیسے موضوعات کو بہت قریب سے چھو کر اپنے حساس ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔اس ڈرامے میں دانش اقبال، اعجاز احمد، رقیہ نبی، فرحت ثمرین، نغمہ تبسم، محمد فیصل، امان اللہ، محمد عدنان، توفیق ندیم، عالیہ کوثر، وشنو پریا، شبنم شمشاد، محمد رضوان نے اپنی اداکاری سے ناظرین کو مسحور کر دیا۔تہمینہ بیگم اور آفرین سلطانہ نے بیک اسٹیج میں اپنی خدمات پیش کیں۔اس پروگرام کی نظامت پروفیسر صدیقی محمد محمود نے بحسن و خوبی کی اور آخر میں اظہار تشکر کیا۔

تربیت وتعیناتی سیل

ڈاکٹر اطاعت خان طلبہ اور ریسرچ اسکالرس سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے۔
پروفیسر عبدالعظیم، پروفیسر سنیم فاطمہ، ڈاکٹر محمد یوسف خان اور دیگر

تربیت وتعیناتی سیل کا طلبا کو ملازمت کے بہتر مواقع فراہم کرانے کے مقصد سے یونیورسٹی میں 15-2014 میں قیام عمل میں آیا۔پروفیسر ریحان خان سوری کی بحیثیت مشیر اگست 2016 میں وابستگی کے بعد یونیورسٹی میں تربیت اور تعیناتی سے مربوط سرگرمیوں کو ایک نئی تحریک اور جہت ملی ہے۔

سیل کی سرگرمیاں:

☆ طلبہ کے لیے آن لائن رجسٹریشن کا آغاز کیا گیا تاکہ امکانی بھرتی کنندگان کے لیے ایک ڈاٹا بینک تیار کیا جائے۔

☆ تعیناتی رابطہ کاروں (اساتذہ وطلبہ) کی نامزدگی کے لیے شعبوں کی توجہ مبذول کروائی تاکہ تعیناتی سرگرمیوں میں مناسب تال میل ہوسکے۔

☆ بی ٹیک طلبہ کے لیے 11/جنوری 2017 کو مشق انٹرویو کا اہتمام کیا گیا۔

☆ پروفیسر ریحان خان سوری نے 10/جنوری کو مستقبل کی منصوبہ بندی کی اہمیت کے موضوع پر ہاسٹل میں لکچر دیا۔

☆ شعبہ تعلیم نسواں کی پہل اور سرگرم تعاون سے 9/فروری کو لائبریری آڈیٹوریم میں ''اردو بولنے والے طلبہ کے لیے روزگار کے مواقع'' کے موضوع پر ماقبل تعیناتی شعور بیداری پروگرام منعقد کیا گیا۔ محترمہ سیدہ سارہ شطاری (سی ای او، اکیڈمیک الائیڈ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ، حیدرآباد) اور جناب راشد شطاری (کارپوریٹ ٹرینر نے لسانیات اور سماجی علوم کے طلبہ کو کیریئر سے مربوط کئی اہم نکات سے واقف کروایا)

☆ سعودی عرب کے ممتاز غیر مقیم ہندوستانیوں کے ایک وفد نے 8 اور 9/فروری 2017 کو اردو یونیورسٹی کا دورہ کیا تاکہ اساتذہ اورطلبہ سے بہترین تعلیمی روایات پر تبادلہ خیال کیا جائے۔ وفد میں ڈاکٹر اطاعت خاں، ایم ڈی، کامیدہ انفولوجکس، جناب حسن غیاث سابق صدرنشین انڈین اسکول جدہ، جناب سید حسین (اسلامک ڈیولپمنٹ بینک، جدہ) اور جناب سید سلمان، نائب صدر، انالیٹکس شامل تھے۔وفد کے ارکان نے اسکول آف کامرس اینڈ مینجمنٹ اسٹڈیز اور شعبۂ اسلامیات کا معائنہ کیا۔ان شعبوں کے اساتذہ اورطلبہ کے ساتھ ان کا تبادلہ خیال نہایت مفید اور حوصلہ افزا رہا۔معزز

مہمانوں نے بالخصوص ریسرچ اسکالرس کو مستقبل سازی سے متعلق گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ ڈاکٹر محمد یوسف خان، پرنسپل پالی ٹیکنیک، دورہ کنندہ مہمانوں کے رابطہ کار تھے۔

☆ تربیت وتعیناتی سیل نے ''صنعت- ادارہ روابط: نوجوانوں کی رہبری، اختراع اور روزگاریت'' کے موضوع پر 23/ فروری کو ایک روزہ کانفرنس کا اہتمام کیا۔ کانفرنس کا مقصد صنعت کے ساتھ یونیورسٹی کے روابط استوار کرنا تھا۔

یونیورسٹی اور صنعت کے نمائندوں نے پہلی مرتبہ ایک دوسرے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے حوالے سے تبادلہ خیال کیا۔ سرکاری' غیر سرکاری اور نجی کمیٹیوں کے سرکردہ عہدیداروں نے اس منفرد کانفرنس میں شرکت کی اور طلبہ کو بھرتی کے عمل کی باریکیوں سے روشناس کروایا۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر اور کانفرنس کے سرپرست اعلیٰ نے افتتاحی اجلاس کی صدارت فرمائی۔

کانفرنس سے خطاب کرنے والے ممتاز مقررین میں جناب سی ای کنڈو، ایگزیکیٹو ڈائرکٹر این ایم ڈی سی، جناب سچن کھنڈیلوال، سی ای او وایم ڈی میگما ہاؤسنگ فینانس، جناب کرشنا کشور، عمودی سربراہ ٹی ایس جناب سدھیر گندوترا، سی ای او پن ایل ایکس، جناب رنگا ناتھن ایس، سربراہ اگیزیکیٹو ایجوکیشن، آئی آئی ایم، احمد آباد، جناب سنجئے اروڑا، سابق سی ای او گراز بینکرٹ، جناب کریم عرفان، سی ای او کرینس سافٹ ویئر انٹرنیشنل، جناب سہیل رزاق، ایم ڈی عندور فوڈس، جناب سنیل کھنیٹا، ڈائرکٹر اوریکل سافٹ ویئر، جناب دیویندر شیکھر، ایم ڈی یوبیکس، جناب وشواس متیالہ، ڈائرکٹر کارپوریٹ ایچ آر، ڈاکٹر ریڈیز لیب اور جناب سچن چودھری اسوسیئٹ ڈائرکٹر ایل اینڈ ڈی، کاگنیزنٹ شامل تھے۔

پروفیسر سنیم فاطمہ آرگنائزنگ سکریٹری نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور پروفیسر ریحان خان سوری نے کانفرنس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی۔

شعبہ اسلامک اسٹڈیز

طلبہ کی سرگرمیاں: شعبہ کی جانب سے 22/ستمبر 2016 کو مقابلہ بیت بازی منعقد ہوا جس میں 4 گروپ بنام مصحفی، انشاء، انیس اور دبیر نے حصہ لیا۔ اس مقابلہ میں اول نمبر پر انشا اور دوم وسوم پر بالترتیب انیس اور دبیر کی ٹیمیں رہیں۔ اس پروگرام کی صدارت اردو کے معروف نقاد پروفیسر شمیم حنفی نے کی اور مہمان خصوصی کے طور پر جناب انیس اعظمی مشیر اعلیٰ مرکز مطالعات اردو ثقافت نے شرکت کی۔ 6 اکتوبر کو کوئز مقابلہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ 27 اکتوبر کو Just A Minute کا مسابقتی پروگرام منعقد ہوا۔ طلبہ میں انگریزی کو فروغ دینے کے لیے پروگرام ''Social Media" کے موضوع پر گروپ ڈسکشن کا 13 اکتوبر کو انعقاد عمل میں آیا۔ 10 جنوری 2017 کو اورینٹیشن پروگرام منعقد ہوا۔ 12 جنوری کو ''ہندوستان برطانوی دور سے پہلے اور بعد'' کے نام سے دستاویزی پیشکش کی گئی۔

شعبہ کے ریسرچ اسکالرز نے 24 نومبر کو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے ریسرچ اسکالر سمینار میں مقالات پیش کیے۔ سید عبدالرشید نے ''بیت الحکمہ بغداد کی علمی خدمات'' صالح امین نے ''آزاد ہندوستان میں اسلامی فقہ'' اور محمد عامر نے ''سرسید اور علمائے دیوبند: غلط فہمیاں اور حقائق'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔

دیواری پرچہ ''اسلامی مطالعات'' کا نیا شمارہ: شعبہ کے طلبہ اپنی تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے دو ماہی دیواری پرچہ ''اسلامی مطالعات'' نکالتے ہیں۔ اس دیواری پرچہ کا دوسرا شمارہ 29 ستمبر کو منظر عام پر آیا۔ اس کا اجرا پروفیسر اقتدار محمد خان سابق صدر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے بدست انجام پایا۔ اس پرچہ کا تیسرا شمارہ، پروفیسر رحمت اللہ، ڈین اسکول آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، مانو کے ہاتھوں اجرا کے بعد یکم/دسمبر 2016 کو منظر عام پر آیا۔

توسیعی خطبات: پروفیسر صدیقی محمد محمود، سابق صدر شعبۂ تعلیم و تربیت، مانو، نے 11 اگست کو ''اعلی تعلیم میں تدریس کی منصوبہ بندی'' کے موضوع پر توسیعی خطبہ پیش کیا۔ 25 اگست 2016 کو ڈاکٹر دانش معین، اسوسیئٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ، مانو، نے ''عہد سلطنت اور عہد مغلیہ۔ تاریخ نگاری کے حوالہ سے'' کے عنوان پر شعبہ کے طلبا و طالبات

ڈاکٹر فہیم اختر عیسائی وفد سے خطاب کرتے ہوئے

سے خطاب کیا۔ اپنے خطاب میں بتایا کہ تاریخ نگاری کو نئی جہت دینے میں مسلم مورخین کا اہم کردار رہا ہے۔ یکم ستمبر کو پروفیسر محمد شاہد، کنٹرولر آف اگزامینشن، مانو، نے ''سماجی علوم میں تحقیق'' کے موضوع پر توسیعی خطبہ دیا۔ 29 ستمبر کو پروفیسر اقتدار محمد خاں، صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے میں ''وسط ایشیا کے مسلمان۔ ماضی اور حال کے تناظر میں'' کے عنوان سے توسیعی خطبہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ وسط ایشیا کی علمی وتہذیبی اور تمدنی ترقی میں مسلم حکمرانوں کا اہم کردار رہا ہے۔ انہوں نے وہاں کی علمی وتہذیبی ترقی پر مفصل روشنی ڈالی اور خرتنگ میں امام بخاری کے مزار، تاشقند میں حضرت عثمان سے منسوب قرآن مجید کے نسخہ کے بارے میں گفتگو کی۔ 21 اکتوبر کو ڈاکٹر محمد فہیم اختر، صدر شعبہ اسلامیات، مانو نے بیرون ملک سے آئے عیسائی وفد کو A brief introduction to Islam کے عنوان سے خطاب کیا۔ وفد نے اسلام کے دقیق مسائل سے متعلق عصری تناظر میں سوالات اٹھائے اور ڈاکٹر محمد فہیم اختر نے تشفی بخش جوابات دیے۔ ڈاکٹر محمد فہیم اختر نے 24 نومبر کو ''ٹرانس ہیومنزم'' کے موضوع پر لکچر پیش کیا۔ 19 جنوری 2017 کو ڈاکٹر افروز عالم، صدر شعبہ سیاسیات مانو نے توسیعی خطبہ ''دستور ہند۔ اس کے رہنما اصولوں کے خصوصی حوالہ سے'' کے عنوان پر دیا۔

آپ کی رائے

ملک میں اردو صحافت کے عہد ساز سفر پر مبنی یونیورسٹی کا کیلنڈر بے حد معلوماتی

عام طور سے نئے سال کے کیلنڈر میں مذہبی اور دینی معلومات کو اولیت دی جاتی ہے یا مختلف ادارے اس میں اپنے کارنامے اور سرکاری وخانگی اسکیمات کو نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔لیکن مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے سابقہ روایات سے الگ ہٹ کر ایک نئی روش کا آغاز کیا ہے۔گذشتہ برس سائنس اور دیگر علوم میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے مسلم سائنسداں کی خدمات اور تصاویر کیلنڈر میں آب وتاب کے ساتھ شائع کی گئیں اور سال رواں میں اُردو صحافت کے ارتقائی سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھنے والے اخبارات ورسائل سے متعلق مواد اور ان کے سرورق کا عکس پیش کیا گیا ہے۔ ہر صفحے پر دو اخبارات یا رسائل کے بارے میں معلومات درج کی گئی ہیں۔

اردو کا پہلا اخبار جام جہاں نما ہے جو 1822 میں کولکاتہ سے ہری ہردت کی ادارت میں شائع ہوا۔اس سے قبل ہری ہردت بنگالی اخبار سمواد کومدی سے بحیثیت مدیر وابستہ رہے تھے۔دہلی اردو اخبار کے مدیر مولوی محمد باقر تھے جنہیں بغاوت کے الزام میں 1857 کی ناکام جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے پھانسی دے دی۔یہی وجہ ہے کہ انھیں ہندوستانی صحافت کی تاریخ میں پہلا شہید کہا جاتا ہے۔دکن گزٹ انیسویں صدی کے آخر میں حیدرآباد سے شائع ہونے والا ایک معروف اخبار تھا۔کوہ نور اخبار 1850 میں پشاور کے تجربہ کار صحافی ہرسکھ رائے نے لاہور سے شروع کیا۔کوہ نور کو لاہور کا پہلا اردو اخبار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اودھ اخبار کا آغاز نول کشور پریس اور بک ڈپو کے مالک منشی نول کشور نے لکھنؤ سے نومبر 1858ء میں کیا۔اس کی ایک اہم خدمت رتن ناتھ سرشار کے ناول فسانۂ آزاد کی قسط وار اشاعت ہے۔مزاحیہ رسالہ اودھ پنچ کی ابتداء منشی سجاد حسین نے 1877 میں لکھنؤ سے کی۔اس کی تحریروں میں نوآبادیاتی نظام کے خلاف چوٹ کی جاتی تھی۔اکبرالٰہ آبادی اس کے اہم قلم کار تھے۔زمیندار لاہور سے مولانا ظفر علی خاں کی ادارت میں شائع ہوتا تھا جسے 1920 اور 1930 کی دہائی کے عوامی ڈسکورس میں غلبہ حاصل تھا۔پیسہ اخبار منشی محبوب عالم نے 1887ء میں شروع کیا۔جلد ہی اس کی تعداد اشاعت 5000 ہوگئی جو اس زمانے میں لاہور سے نکلنے والے تمام اخبارات سے زیادہ تھی۔مخزن کا آغاز 1901ء میں شیخ عبدالقادر نے کیا۔اس رسالے کا مقصد اس عہد کے اہم سماجی اور سیاسی تصورات کو پیش کرنا تھا۔اس رسالے سے علامہ اقبال۔مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی جیسی شخصیات وابستہ تھیں۔

تہذیب الاخلاق سرسید احمد خاں نے 1870ء میں جاری کیا۔اس رسالے کا اہم مقصد ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی ومذہبی قدامت پسندی کو اُجاگر کرکے انھیں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق خود کو تیار کرنے پر آمادہ کرنا تھا۔اخبار مدینہ کی اشاعت مولوی مجید حسن نے 1912 میں بجنور سے شروع کی۔اس کا شمار برصغیر کے اہم اخبارات میں ہوتا ہے۔اخبار مدینہ خاص طور سے خبروں کی ترتیب اور خطاطی کے لیے جانا جاتا ہے۔الہلال ایک ہفتہ وار اخبار تھا جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے 1912ء میں کولکاتہ سے جاری کیا۔اس اخبار نے ہندوستانی مسلمانوں کو جدوجہد آزادی میں شرکت کی دعوت دی۔

کیلنڈر کو ہر ماہ دیکھنے سے نظر اخبارات ورسائل اور ان سے متعلق مواد پر پڑتی ہے جو ذہن نشین بھی ہو جاتے ہیں۔اس کیلنڈر میں اردو کے جملہ 24 اخبارات ورسائل کا عکس اور ان سے متعلق مواد پیش کیا گیا ہے۔کاش مزید محنت کرکے ان اخبارات کا کب اور کس سنہ میں اجراء ہوا اور کتنے سال ان کا سفر جاری رہا اور کیوں بند ہوا، اس کی تفصیل دی جاتی تو ریسرچ اسکالر اور طلبا کے لیے مزید مفید اور ثمر آور ثابت ہوتا۔صحافتی تحقیق میں پہلے شمارے کی اہمیت ہوتی ہے اور کس سنہ میں موقوف ہوا، اس سے اخبار کا کردار اور ادبی و لسانی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔آئندہ اس سلسلے کو اسی عنوان سے یعنی ہندوستان میں 'اردو صحافت کا عہد ساز سفر' کو جاری رکھیں اور اخبار کی اہم تفصیل کے ساتھ اس کا پہلا شمارہ کب نکلا اور کب مسدود وموقوف ہوا بھی درج کریں۔ بہرحال موجودہ وائس چانسلر، مانو ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کے جائزہ لینے کے بعد مانو کی کارکردگی میں Innovative انداز سے بہتری آرہی ہے۔اسی سلسلے میں اُردو سائنس کانگریس منعقد کی گئی۔وائس چانسلر یونیورسٹی میں سائنس، سماجی اور علمی ماحول کو فروغ عطا کررہے ہیں۔میں ان کو اور ان کے رفقائے کار کو دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے اس کیلنڈر کو علمی وصحافتی حیثیت عطا کی ہے۔ مانو کی ڈائری میں بھی تفصیل سے علمی اور نصابی پروگرام پیش کیا گیا ہے۔کوئی چیز نامکمل نہیں ہے۔ڈائری کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔سرورق پر تعلیم کے ذریعہ بااختیاری کے زیر عنوان تمام شعبوں واسکولوں کی تفصیل درج کی گئی ہے۔بہرحال اس تمام محنت اور مشقت کے لیے ڈاکٹر اسلم پرویز اور ان کے رفقا قابل تحسین وآفرین ہیں کہ انھوں نے ایسا دستاویزی کیلنڈر اور ڈائری شائع کیا جو ریسرچ اسکالر اور علم کے متمنی طلبا کے لیے رہبری و رہنمائی میں معاون ہیں۔

ڈاکٹر محمد ناظم علی
سابق پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج، موڑتاڑ ضلع نظام آباد

الکلام - شمارہ XXIV نومبر 2016

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میگزین 'الکلام' میں مولانا آزاد کی زندگی، فکر وفن اور عصری دور میں ان کی فکری معنویت پر اداریہ بہت خوب ہے۔عصری دور میں مولانا کے افکار کی اہمیت ہے۔صحافت ہو کہ سیاست، مولانا جیسی ہو۔اقدار پر مبنی صحافت وسیاست قوم وملک کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔دیگر مضامین، مولانا آزاد کی ترجمہ نگاری، مولانا آزاد اور ٹکنیکل ایجوکیشن، مولانا آزاد کی تحریروں پر عربی اثرات کے بعض وجوہ، مولانا آزاد کا نظریۂ متحدہ قومیت، مولانا آزاد کا اسلوب غبار خاطر کی روشنی میں، مولانا آزاد کا نظریۂ تعلیم وغیرہ مضامین ندرت اور جدت لیے ہوئے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا پر یہ گوشہ بالکل Innovative ہے۔اس میگزین کی اشاعت پر وائس چانسلر ڈاکٹر اسلم پرویز اور ان کے رفقاء کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس میں بیرونی قلمکاروں کی معیاری تخلیقات بھی شامل کریں۔

فقط آپ کا خیر اندیش
ڈاکٹر محمد ناظم علی

ہندوستان میں فنون لطیفہ کے فروغ کی ضرورت

پچھلے ڈیڑھ سو برس میں فنون لطیفہ کو چاہے وہ رقص ہو یا ڈراما، موسیقی ہو یا ادب، وہ توجہ اور مدد نہیں ملی جو اس کے مکمل ارتقا کے لیے ضروری تھی۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں نشاۃ ثانیہ انیسویں صدی کے وسط سے شروع ہو گیا تھا مگر اس کا آغاز سماج کے دباؤ سے ہوا تھا اور اس میں کسی حد تک ریاست کا بھی ہاتھ تھا۔ اسی لیے نہ اس میں گہرائی تھی نہ اس کے نتائج دور رس تھے۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا جب ریاست سے اسے خاطر خواہ مدد ملتی۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد فنون لطیفہ کی مختلف اصناف کی ریاستی سطح پر حوصلہ افزائی کی قدیم روایت کو ختم کر دیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی ریاستیں جو تقریباً ہندوستان کے تہائی حصے پر مشتمل ہیں انہوں نے علاقائی سطح پر اپنے اپنے یہاں ان فنون لطیفہ کے فروغ میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ہمیں ان کا ممنون ہونا چاہیے۔ مگر ان کی کوششیں اس کی مکمل ترقی اور نشو و نما کے لیے ناکافی تھیں اور پھر شاہی نظام کے ختم ہو جانے کے ساتھ وہ سرپرستی جو اس کے تحت فنون لطیفہ کی ہوتی تھی وہ بھی باقی نہیں رہی۔ جمہوری نظام میں فنون لطیفہ کا فروغ عوام کی دلچسپی سے ہوتا ہے اور ریاست کی سرپرستی سے جو عوام کی خواہشات کا منظم اظہار ہے اس لیے اس کو فروغ دینا حکومت کی ذمہ داریوں میں سب سے مقدم ہے۔

ہندوستانی تہذیب کی روح یہ ہے کہ وہ اپنے میں دوسری تہذیبوں کے عناصر کو جذب کر کے ایک امتزاج پیدا کرتی رہی ہے اور اس کا اظہار موسیقی سے بہتر اور کسی میدان میں نہیں ہوتا۔

عہد وسطیٰ میں ایرانی اور کلاسیکی ہندوستانی موسیقی کے مختلف نمونوں سے جو موسیقی وجود میں آئی، اس میں ان دونوں کی نزاکت و نفاست موجود ہے۔ جب مسلمان ہندوستان میں وارد ہوئے تو ہندوستانی موسیقی ارتقائی منازل طے کر چکی تھی، اس لیے مسلمانوں کو ہندوستانی موسیقی کی امتیازی خصوصیات کو دریافت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ انہوں نے نہ صرف اسے اپنا لیا بلکہ اس کے بعد ہندوستان میں ان دونوں کا الگ الگ ارتقا ہونے کے بجائے ان دونوں کے ملاپ سے جو موسیقی وجود میں آئی تھی اس کو فروغ ملا اور یہاں تک کہ اپنی لطافت اور نزاکت میں اپنے اصلی سرچشموں سے سبقت لے گئی۔

امیر خسرو کا نام ہندوستانی تاریخ کے طالب علم کے لیے محتاج تعارف نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ایک عظیم شاعر تھے مگر ان کے غیر معمولی اختراعی ذہن کی فنون لطیفہ کے شعبوں پر بھی گہری چھاپ ہے۔ ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کے امتزاج سے انہوں نے نئے نئے راگ ایجاد کیے۔ ایمن، ترانہ، قول، ہندوستانی، سازگری سہلا اور دوسرے راگ جو آج بھی کروڑوں ہندوستانی گاتے ہیں اور جو ان کی غیر معمولی ذہانت اور امتزاج پیدا کرنے کی زبردست صلاحیت کی زندہ مثال ہیں۔ سازوں میں ''ستار'' ان ہی کی ایجاد ہے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ''وینا'' بہت لمبا چوڑا پیچیدہ ساز ہے تو انہوں نے اسے آسان بنانے کے لیے اس کے تاروں کی تعداد کم کر کے صرف تین کر دی۔ ''ستار'' لفظ فارسی کا ہے جس کے معنی تاروں کے ہیں۔ اسی لیے اس کو یہ نام دیا گیا......

موسیقی کو بھی انہوں نے اس طرح سادہ اور آسان بنا دیا۔ جے پور کے راجا سلطان شرقی موسیقی کے بہت دلدادہ تھے۔ انہوں نے ہندوستانی موسیقی میں ''خیال'' کو رواج دیا۔ ''دھرپد'' کے قدیم کلاسیکی انداز بہت مشکل اور بے لوچ تھے جس سے جذبات کا روانی سے اظہار بہت مشکل تھا۔ انہوں نے ''خیال'' میں ''دھرپد'' کی شان کو تو باقی رکھا مگر اس کی سختی کو ختم کر دیا اور یہ اسی طرح ہندوستانی موسیقی کا سب سے پسندیدہ راگ بن گیا۔

جذب کرنے کی کیفیت اور امتزاج ہندوستانی سازوں کے ارتقا میں بھی نظر آتا ہے۔ مختلف قسم کے تان پورے ایران میں مقبول تھے۔ ہندوستان نے انہیں اپنی ضرورت کے مطابق تبدیلیوں کے ساتھ اپنا لیا۔ ایک اور ایرانی ساز ''قانون'' ہے جسے آج کل کشمیری لوگ بجاتے ہیں۔ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی مثالیں موسیقی سے بہتر اور کہیں نہیں ملتی ہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال سے زیادہ کی ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ کوششوں نے موسیقی کو اس کمال پر پہنچا دیا کہ شاید ہی دنیا میں کوئی اس کے مدمقابل ہو۔

ڈراما کے سلسلے میں یونانیوں کا سرچشمہ کوئی بھی ہو مگر اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ڈرامے کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں کوئی ان کا ہم سر نہیں...... پھر بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کالی داس کا شمار یونانی ڈراما نگاروں کی صف میں ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھبھوتی، بھاس اور بھان بھٹ نے ہندوستانی ڈرامے کا معیار اس قدر بلند کر دیا ہے کہ وہ کسی طرح بھی یونانی ڈراما سے کم نہیں ہے۔ جہاں تک ڈرامے کی تھیوری کا سوال ہے اس میدان میں بھی ہندوستان کی خدمات نمایاں ہیں جو آج بھی قابل تقلید سمجھی جاتی ہے۔

رقص کے میدان میں بھی ہندوستانی رقص کے تنوع نے ہمیشہ آرٹ و کلچر کے طالب علموں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ خالص ہندوستانی کلاسیکل رقص کا ارتقا مندروں میں ہوا ہے جس میں اظہار کے لاتعداد طریقے، اتار چڑھاؤ، حیرت انگیز موزونیت، سر تال اس سرزمین کے مختلف علاقوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہندوستانی رقص کے تنوع اور نزاکت کی مثال دنیا بھر میں شاید ہی کہیں ملے۔

رقص، موسیقی اور ڈرامے کی یہ قیمتی میراث ہے۔ اس کو فروغ دینا اور اس میں اضافہ کرنا ہے۔ اپنے لیے ہی نہیں ہمیں اس لیے بھی یہ کرنا ہے کہ ''یہ انسانیت کی میراث ہے۔'' یہ بات آرٹ کے میدان سے زیادہ اور کہیں صادق نہیں آتی۔ باقی رکھنے کے معنی تخلیق کرنا ہے۔ ان اکیڈیمیوں کا یہی مقصد ہوگا کہ وہ منظم اداروں کے ذریعہ ہماری ان روایات کا تحفظ کریں اور ان کو فروغ دیں۔

(سنگیت ناٹک اکیڈمی کے جلسۂ افتتاحیہ کا خطبہ جو مولانا آزاد نے 28 جنوری 1953 کو دیا۔ بحوالہ امام الہند ابوالکلام۔ جلد چہارم۔ نئی دہلی۔ مرتبہ: سیدہ سیدین حمید۔ ICCR - 1990 ''تہذیبی بصیرت'' صفحہ 278-279)

یونیورسٹی میگزین کا س
Silver Jubilee Milestone
۲۵
سلور جوبلی
شمارہ
سلور جو
ILEE ISSUE
اردو یونیورسٹی
Maulana Azad National Urdu University
الکلام
Al kalam
MAULANA AZAD
'A' Grade from NAAC MANUU Does it Again
MAULANA AZAD SPECIAL EDITION